ہمدرد
نونہال

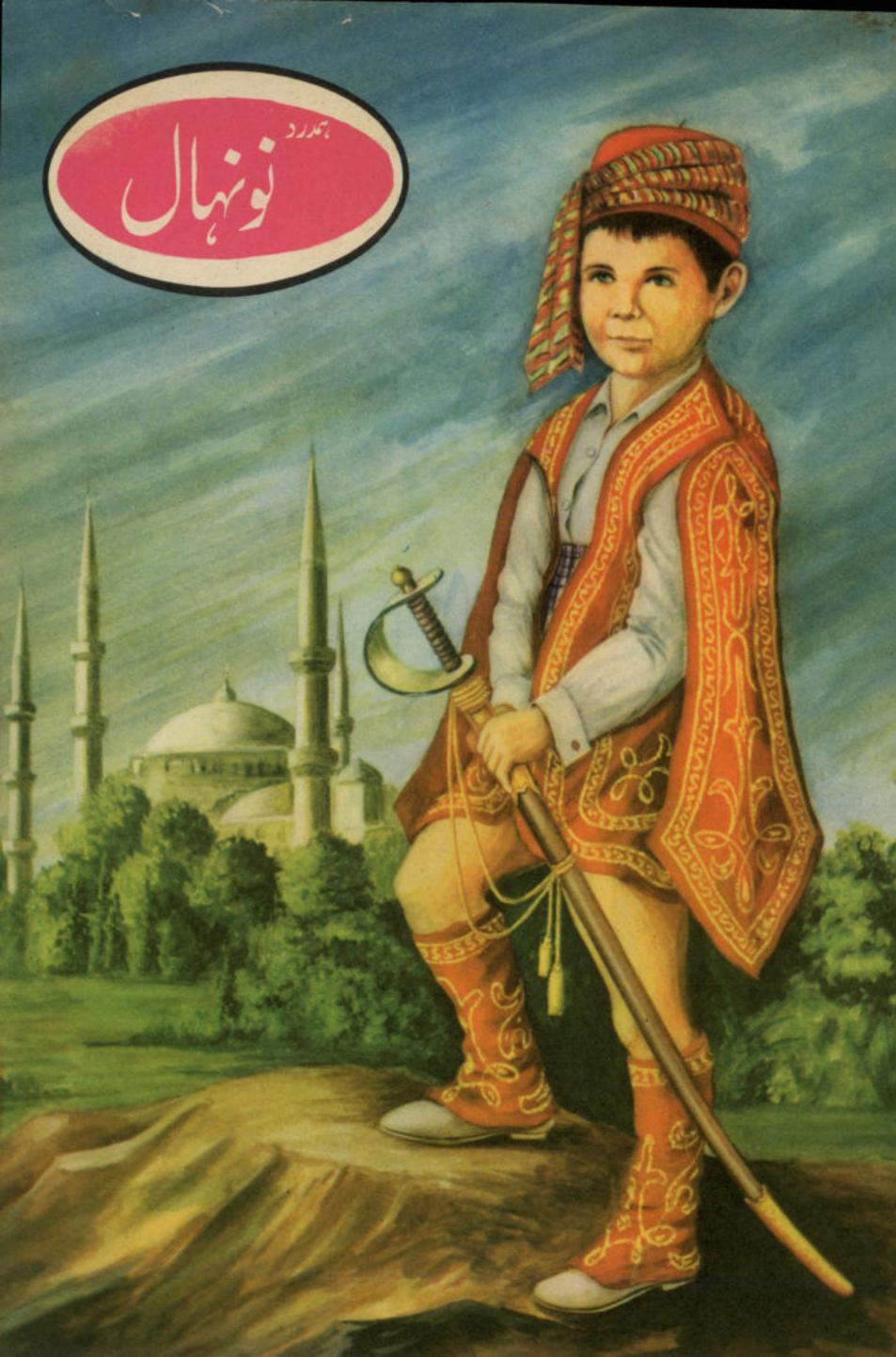

جب نزلہ،
زکام یا فلو کا اثر ہو جائے تو

زیادہ محنت اور تھکاوٹ سے بچئے۔ قبض رفع کیجئے
بھیڑ بھاڑ اور ہجوم سے گریز کیجئے۔ گرد و غبار اور دھوئیں سے دور رہئے اور
بلا تاخیر سعالین استعمال کیجئے۔

سعالین نزلہ، زکام اور کھانسی کی مفید دوا

ہمدرد

نونہال

ٹیلے فون انتظامیہ ۶۱۶۰۰۱ ٹیلے فون ادارت ۶۱۶۰۰۲

مجلسِ ادارت

حکیم محمد سعید دہلوی صدرِ مجلس
مسعود احمد برکاتی مُدیر
حکیم محمد یٰسین دہلوی مُدیر

رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ
ستمبر ——— ۱۹۷۷ء
جلد-۲۵-شمارہ-۹

قیمت فی شمارہ:۔ ۲ رُپے ۲۵ پیسے سالانہ ۲۵ رُپے پتا: ہمدرد نونہال۔ ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۱۴

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اِس شمارے میں کیا ہے؟

(۳) جاگو جگاؤ
جناب حکیم محمد سعید

(۴) سب کے ہادیؐ (نعت)
قاضی عبدالقدوس عرشی

(۶) سچّی عید
جناب سید رشید الدین احمد

(۹) میرے بیٹے کے سوا
جناب عشرت رحمانی

(۱۳) جب ہم پڑھتے تھے
خواجہ غلام السیدین مرحوم

(۱۷) خزانہ جس کا راز نہ کھُل سکا
جناب علی اسد

(۳۵) پھُولوں کے سفیر
جناب وقار محسن

(۴۷) مچھلی کا بیٹا
جناب ابرار محسن

(۶۱) خواجہ حسن نظامی
جناب سیّد اَوصاف علی

(۷۰) معلوماتِ عامہ ۱۳۷
جناب عِصمت علی پٹیل

(۷۳) ڈزنی لینڈ۔ بچّوں کی حسین دُنیا
بیگم پروین اختر قدیر

جوادارے نے لکھے

ارشاداتِ نبویؐ (۵)
ہمدرد انسائیکلوپیڈیا (۳۱)
صحیح لفظ بتایئے (مع جوابات) (۵۹)
صحت مند نونہال (۶۸)
معلوماتِ عامہ ۱۳۵ کے جوابات (۷۰)
حلقۂ دوستی (۱۱۰)

جو نونہالوں نے لکھے

اخبار نونہال (۵۷)
نونہال مصوّر (۶۶)
رنگ برنگی پھُل جھڑیاں (۷۱)
بزمِ نونہال (۷۷)
نونہال ادیب (۸۱)

اچھی کتاب ——— دانا دوست
بُری کتاب ——— نادان دوست

جاگو جگاؤ

کام یاب ہونے کے لیے ناکام ہونا بھی ضروری ہے، لوگ بہت سے کام اس لیے نہیں کرتے کہ کہیں ناکام نہ ہو جائیں۔ اس طرح وہ بہت سی کام یابیوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کام یابی کوشش اور لگن کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، مسلسل محنت کرنے کے بعد ہی آدمی کام یاب ہوتا ہے۔ کوشش کے دوران میں انسان کو بہت سی مشکل راہوں سے گزرنا پڑتا ہے، کئی ناکامیوں کا منھ دیکھنا پڑتا ہے، اس کے بعد ہی کام یابی کا راستہ ہموار اور روشن ہوتا ہے۔ جو شخص اس خیال سے قدم ہی نہ اُٹھائے کہ کہیں گر نہ پڑے وہ کبھی چلنا نہیں سیکھ سکتا۔ چلنے کے بعد ہی آدمی منزل پر پہنچ سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کام یابی کا راستہ ناکامیوں کے گڑھوں سے گزرتا ہے اور ان گڑھوں کو پھلانگے بغیر تم آگے نہیں بڑھ سکتے۔

ناکامی سے مت ڈرو۔ ناکامی سے ڈرنے کا مطلب ہے کام یابی سے ڈرنا۔ جس چیز سے آدمی ڈرتا ہے اس کے قریب نہیں جاتا اور وہ اس کے پاس نہیں آتی۔ کام یابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ناکامیوں سے نمٹنا سیکھو۔ ناکام انسان کام یاب ہو سکتا ہے اور کام یاب انسان ہی ناکامی کا مزا جانتا ہے۔

تمہارا دوست اور ہمدرد حکیم محمد سعید

سب کے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم

قاضی عبد القدوس عرشی

کُفر کی آندھی ایسی چلی تھی دُنیا رَب کو بھول گئی تھی
سب کو لگن دُنیا کی لگی تھی فِکرِ اصلاح کی تجھ کو پڑی تھی
سب کے ہادی سب کے رہبر
صلی اللہ علیہ و سلّم

حق کا ڈنکا جگ میں بجایا حکم خدا کا سب کو سُنایا
بگڑے ہوؤں کو نیک بنایا سیدھا سچا رستہ دکھایا
سب کے ہادی سب کے رہبر
صلی اللہ علیہ و سلّم

دیں کا سبق دنیا کو پڑھایا ظلم و ستم کا نام مٹایا
بھٹکے ہوؤں کو راہ پہ لایا تابع فرماں سب کو بنایا
سب کے ہادی سب کے رہبر
صلی اللہ علیہ و سلّم

خُلق سے سب کو اپنا بنایا تو نے اُنھیں قرآن سُنایا
رکھ دی پلٹ کر ان کی کایا طرز ترا تھا اُن کو بھایا
سب کے ہادی سب کے رہبر
صلی اللہ علیہ و سلّم

عَرشی کی بگڑی کو بنادے کشتی اس کی پار لگا دے
اپنا رَوضہ اس کو دکھادے دین کا رستہ صاف بتادے
سب کے ہادی سب کے رہبر
صلی اللہ علیہ و سلّم

اِرشاداتِ نبویؐ

★ بہترین اخلاق

مَیں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ شریفانہ اخلاق کی تکمیل کروں۔

تم میں سے مجھے وہی شخص محبوب ہے، جس کے اخلاق بہترین ہوں۔

حسنِ اخلاق بہترین نیکی ہے۔

★ مسلمان

اچھا اسلام کس کا ہے؟ "جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

★ سچ بولنا

سچ بولنا بہترین نیکی ہے۔

★ امانت

جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔

★ وعدہ

وعدہ ایک قسم کا فرض ہے۔

★ رحم

تم رحم کرو، تم پر رحمت کی جائے گی۔ تم لوگوں کے قصور معاف کرو، تمھارے قصور معاف کیے جائیں گے۔

جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں کرے گا۔

جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہماری امت سے خارج ہے۔

★ حیا

حیا دینِ اسلام کا امتیازی وصف ہے۔

سچی عید

سید رشید الدین احمد

جس وقت نونہال کا یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا رحمتوں اور برکتوں کا مہینا بڑی تیزی سے گزر رہا ہوگا۔ رمضان کا چاند نظر آتے ہی شیطان کے پاؤں میں پڑنے والی بیڑیاں کھلنے ہی والی ہوں گی۔

پاکستان کے لاکھوں گھروں میں عید کی تیاریاں بھی آخری مرحلوں میں ہوں گی، کتنے ہی گھروں میں یہ مکمل بھی ہو چکی ہوں گی اور آپ بار بار اپنے نئے جوتوں اور عید کے جوڑوں کو دیکھ دیکھ کر بڑی بے چینی کے ساتھ اُس دن کا انتظار کر رہے ہوں گے جب آپ اُنھیں پہن کر اپنے بزرگوں کے ساتھ بڑی شان اور خوشی سے عید کی نماز پڑھنے کے لیے جائیں گے۔ لوٹ کر بڑوں سے ملیں گے اور عیدی وصول کریں گے، دوستوں، ساتھیوں اور بھائیوں سے خوش ہو ہو کر گلے ملیں گے۔ مزے دار مٹھائیاں، شیر خُرما سوئیاں اور چٹ پٹی چیزیں کھائیں گے۔

خدا آپ کو ایسی ڈھیر ساری عیدیں منانے کے موقعے عطا کرے۔ آپ یوں ہی اچھا پہنتے اوڑھتے اچھا کھاتے رہیں۔ خوش اور آباد رہیں۔

دنیا کی تمام قومیں اپنی اپنی ریت کے مُطابق عیدیں مناتی ہیں۔ ہندو دیوالی اور دسہرہ مناتے ہیں تو عیسائی کرسمس اور سالِ نو۔ ہر ایک قوم اپنے تہواروں کے موقع پر اپنی خوشی کا اظہار مختلف انداز میں کرتی ہے۔ ان کی اکثریت خوشی میں آپے سے باہر ہو جاتی ہے۔ ان میں اور حیوانوں میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اپنی خوشی میں وہ اس قدر بہک جاتے ہیں کہ دوسروں کے دُکھ درد انھیں یاد نہیں رہتے۔

اسلام میں خوشی کا آغاز خُدا کے حضور میں شُکر کے سجدوں سے ہوتا ہے۔ شُکر اس بات کا ادا کیا جاتا ہے کہ اُس نے رمضان جیسے بابرکت مہینے میں روزے رکھنے،

نماز اور تراویح پڑھنے، زکوٰۃ و خیرات دینے کی توفیق عطا فرمائی۔ شکر ادا کیا جاتا ہے اس بات کا کہ سکت اور اختیار رکھنے کے باوجود ہم نے خدا کے خوف سے روزے کے دوران نہ کچھ کھایا اور نہ پیا، منہ سے گندی بات نہ نکالی، کانوں نے فضول بات نہ سنی آنکھوں نے غلط چیز نہ دیکھی۔ برائیوں کی طرف قدم نہ بڑھے، ہاتھوں نے کسی کو نقصان نہ پہنچایا بلکہ نیک کام ہی میں مصروف رہے۔

جن لوگوں نے اتنے اچھے کام کیے ہوں اور جن کو رمضان کے روزوں اور اچھے اعمال کا صلہ خود خدا نے دینے کا وعدہ کیا ہو۔ وہ عید پر خوش کیوں نہ ہوں۔ تیس دن تک بندگی کرنے والوں کا رشتہ اللہ سے اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ وہ اس مہینے کے ختم ہونے پر ناچتے یا آپے سے باہر نہیں ہوتے بلکہ عاجزی کے ساتھ شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے انھیں اتنی نعمتیں عطا کیں۔ وہ اس روز بھی اپنے خدا کو نہیں بھولتے۔

سچی خوشی یہ نہیں کہ "آپ خوش، عالم دنگ" والا معاملہ ہو۔ خوشی میں سب برابر کے شریک ہوں تو دل صحیح معنی میں مسرت سے جھومنے لگتا ہے۔ دوسروں کو اس قابل بنانے سے حقیقی خوشی نصیب ہوتی ہے کہ وہ بھی اُس روز اچھا کھائیں اور پہنیں۔

پاکستان کے بے شمار بچے حالیہ ہنگاموں، شدید بارشوں اور سیلاب کی وجہ سے اپنا سب کچھ کھو بیٹھے ہیں، ان کے سروں سے ماں باپ، بھائی اور بزرگوں کا سایہ اٹھ چکا ہے، انھوں نے رمضان کے بابرکت دن اور نورانی راتیں کھلے آسمان کے نیچے گزار دی ہیں۔ بیماریاں، بھوک اور موسم انھیں ستاتے رہے ہیں ان کے حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اچھے کپڑے پہنیں، اچھا کھانا کھائیں۔ کوئی انھیں عیدی بھی تو نہیں دے گا۔ انھیں اپنے ساتھ نمازِ عید پڑھنے کون لے جائے گا۔ کون آگے بڑھ کر انھیں اپنے گلے لگائے گا۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں، یہ بھی آپ کے بھائی ہیں۔

رمضان کے ان مبارک لمحوں میں، جو بڑی تیزی سے گزر رہے ہیں اپنے ایسے بہن بھائیوں کی بھی کچھ فکر کیجیے۔ ان کی خوشی کے سامان بھی کیجیے۔ کم از کم اتنا کیجیے کہ وہ عید کے روز صاف ستھرے کپڑے پہن سکیں، پیٹ بھر کھا سکیں۔ ان کے چہروں پر

بھی مسکراہٹ آجائے۔ انھیں احساس ہو کہ وہ بھولے بِسرے لوگ نہیں ہیں۔ رمضان کی برکتوں کے طفیل انھیں بھی عید کا دن اور دِنوں سے الگ لگے۔ روشن، ہنستا مسکراتا دن۔ اور وہ بھی اپنے رب کے حضور شکر کے دو سجدے ادا کر سکیں۔

مسلمان کی عید اسی کو کہتے ہیں۔ وہ خوشی میں دیوانہ ہو کر اپنی ذمّے داریوں کو نہیں بھولتا، اس کے فرض اسے یاد رہتے ہیں، وہ دوسروں کو خوش کر کے سچّی خوشی حاصل کرتا ہے۔ ہم میں سے جو لوگ یہ اہتمام کریں گے عید کی حقیقی خوشی انھی کے حصّے میں آئے گی۔ اس لیے عید کی تیاریوں میں سادگی اور کفایت سے کام لیجیے، اِس سے جو کچھ بچ رہے اُس سے اپنے غریب اور مستحق بھائیوں کی امداد کیجیے۔ اپنے بزرگوں سے کہیے کہ وہ فطرہ کی رقم عید سے پہلے ہی دے دیں۔ عیدی کی رقم چٹورپن کی نذر مت کیجیے اس میں آپ کے مستحق بھائیوں کا حصہ بھی ہے۔

خدا کرے کہ آپ اپنے غریب بھائیوں کو اپنی خوشی میں شریک کر کے سچّی عید منائیں۔ مسرّتوں اور خوشیوں سے پُر ایسی ڈھیر ساری عیدیں آپ کو مُبارک ہوں۔

نماز کے فوائد

(۱) نماز پڑھنے سے روزی میں برکت ہوتی ہے۔

(۲) نماز قبر میں روشنی کا ذریعہ ہوگی۔

(۳) نماز سے معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

(۴) نماز فرشتوں کی محبت کا وسیلہ ہے۔

(۵) نماز کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔

(۶) نماز اللہ کی رضامندی کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔

(۷) نماز پُل صراط کی پروانۂ راہ داری ہے۔

(۸) نماز سے بُری باتیں اور بے حیائی دور ہو جاتی ہے۔

مرسلہ: عبد المجید، ماڈل کالونی، کراچی۔

عشرت رحمانی

میرے بیٹے کے سوا

سُلطان محمود غزنوی بہت مُنصف مزاج بادشاہ تھا۔ وہ اپنی رعایا پر بہت مہربان تھا۔ سُلطان روزانہ رات کو بھیس بدل کر شہر میں گھوم کر دیکھتا کہ اس کی رعایا میں کوئی دُکھی یا ضرورت مند تو نہیں ہے۔ اگر کسی کو ضرورت مند دیکھتا تو فوراً اس کی ضرورت پوری کرنے کا انتظام کرتا اور کوئی پریشان ہوتا تو سُلطان اُس کی پریشانی دُور کرتا۔

ایک رات جب سُلطان شہر میں گھوم پھر کر محل آیا اور سونے کے لیے مسہری پر لیٹا تو اُس کو نیند نہ آئی وہ بہت دیر تک جاگتا رہا

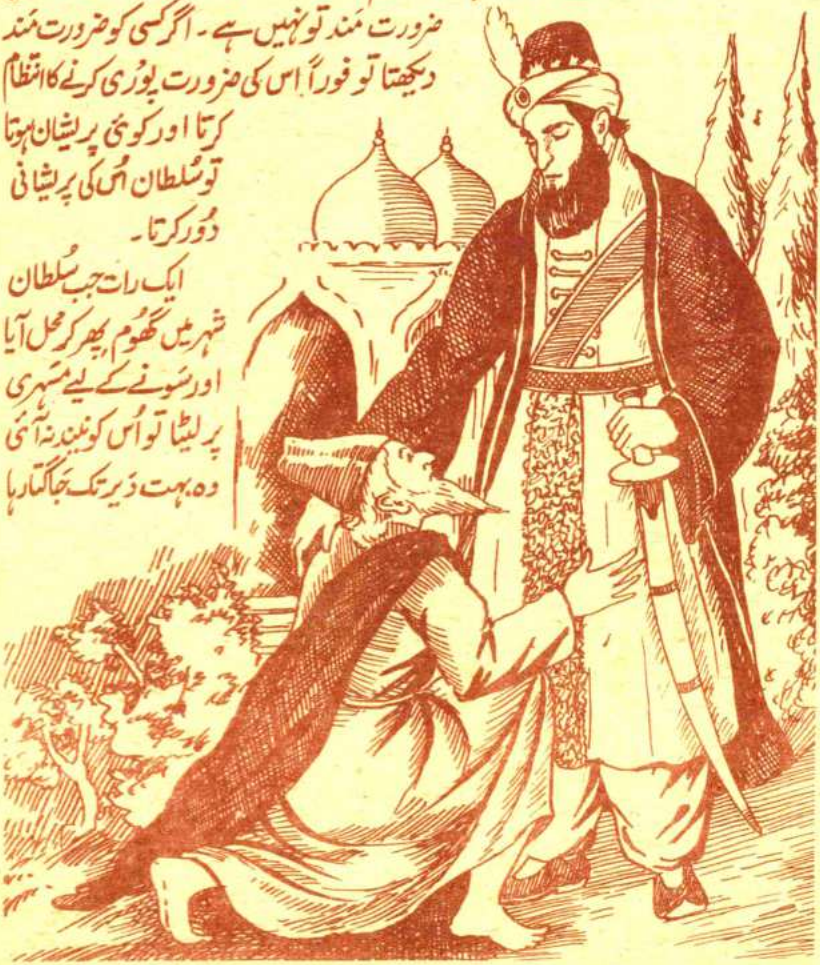

آخر اس نے سوچا کہ اُس کی رِعایا میں سے کسی شخص کو کوئی تکلیف ہے۔ اِسی لیے اس کو نیند نہیں آ رہی ہے۔

سُلطان نے پہرے داروں کو بُلا کر حکم دیا کہ محل کے باہر جا کر دیکھو کہ کوئی فریادی تو نہیں آیا ہے۔ اگر کوئی شخص موجود ہو تو اُسے ہمارے پاس بُلا لاؤ۔

پہرے داروں نے باہر چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھا، لیکن وہاں کوئی شخص بھی موجود نہ تھا۔ انھوں نے واپس آ کر سُلطان سے عرض کی کہ حضور، باہر کوئی شخص بھی نہیں ہے۔

سُلطان نے کہا، "یہ ناممکن ہے، میری رِعایا میں سے ضرور کوئی دُکھی ہے۔ اسی لیے میرا دِل بے چین ہے اور نیند نہیں آتی۔"

آخر سُلطان نے کمر سے تلوار لٹکائی، خود باہر نکلا اور دُور دُور تک گھوم کر دیکھنے لگا۔ اتنے میں ایک مسجد سے کسی شخص کے رونے کی آواز سُنائی دی۔ سُلطان مسجد کے اندر گیا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک بُوڑھا آدمی سجدہ میں پڑا ہے اور رو رو کر کہہ رہا ہے،

"اے اللہ پاک! اِس وقت میں تیرے سوا کِس سے فریاد کروں، سُلطان تو اپنے محل میں سو رہا ہوگا۔ میں غریب نہ اس کے پاس جا سکتا ہوں اور نہ اپنی فریاد اُس تک پہنچا سکتا ہوں۔ مجھے ایک ظالم کے چنگل سے چھڑا لے۔"

سُلطان نے اس شخص کے قریب پہنچ کر اُسے سجدے سے اُٹھایا اور کہا،

"اے بزرگ! میں سُلطان تیرے پاس حاضر ہوں اور تجھ سے اس بات کی معافی چاہتا ہوں کہ میں تیرے پاس اتنی دیر سے پہنچا، تجھے تکلیف ہوئی۔ میں اپنی اس غفلت پر شرمندہ ہوں۔ اللہ پاک مجھے معاف فرمائے۔ اب جلدی بتا تجھے کیا تکلیف ہے تاکہ میں فوراً اسے دُور کروں۔"

بُوڑھے شخص نے بادشاہ کو اپنے پاس کھڑا دیکھا، اور اُس کی زبان سے مہربانی کے الفاظ سُنے تو فوراً اُس کے پاؤں پکڑ لیے۔ سُلطان نے اُسے اُٹھا کر سینے سے لگا لیا اور تسلی دی۔

پھر بُوڑھے نے بتایا کہ حضور! آپ کے دربار کا ایک خاص آدمی روزانہ اندھیرا

ہوتے ہی میرے گھر آتا ہے۔ وہ میری بیٹی سے زبردستی شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں ابھی تک تو حیلے بہانے کر کے اسے ٹالتا رہا، لیکن آج وہ کسی طرح میرے گھر سے جانے کو تیار نہیں ہے۔ میں نے اپنی بیٹی کو اس کے ڈر سے ایک ہمسائے کے گھر میں چھپا دیا ہے اور خود مکان کے پچھلے راستے سے چھپ کر یہاں آیا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے حضور فریاد کروں۔"

سلطان اُس شخص کو اپنے ساتھ لے کر اس کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب سلطان بوڑھے آدمی کے گھر پر پہنچا تو اُس نے بوڑھے سے کہا کہ تم اندر گھر میں جا کر چراغ بجھا دو۔ اُس شخص نے جلدی سے اندر جا کر چراغ بجھا دیا۔ اس کے بعد سلطان مکان میں داخل

ہوا اور تلوار نکال کر ہر طرف دیکھنے لگا کہ بوڑھے نے جس شخص کی شکایت کی ہے وہ کدھر ہے۔ سلطان نے ایک طرف دیکھا۔ ایک شخص قیمتی لباس پہنے ایک چارپائی پر لیٹا سو رہا ہے۔ سلطان نے آگے بڑھ کر تلوار اس زور سے ماری کہ اس کا گلا کٹ گیا۔ اس کے بعد چراغ روشن کروایا۔ مُردہ شخص کے چہرے کو دیکھا اور سجدے میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا۔ بوڑھا شخص سلطان کی یہ باتیں دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ سلطان سمجھ گیا کہ یہ شخص کیوں حیران ہے؟ اُس نے کہا،

اے بزرگ شخص تم اس بات سے حیران ہو کہ میں نے چراغ بجھانے کو کیوں کہا، اور بعد میں اس ظالم شخص کو قتل کر کے خدا کا شکر کیوں ادا کیا؟ جب میں نے سنا کہ میرے دربار کا کوئی خاص امیر تم پر جبر اور ظلم کر رہا ہے تو مجھے خیال ہوا کہ میرے بیٹے کے سوا اور کسی امیر کی یہ ہمت نہیں ہو سکتی کہ میری رعایا کو ستائے اور اس کی مرضی کے خلاف اُس کے ساتھ کچھ کرے۔ میں نے اس لیے چراغ بجھوا دیا تھا کہ روشنی میں اپنے بیٹے کی صورت دیکھ کر مجھے اس پر پیار نہ آجائے اور میں اُسے سزا نہ دے سکوں۔ بعد میں خدا کا شکر اس لیے ادا کیا کہ میں نے جب اُس ظالم کا چہرہ دیکھا تو وہ میرا بیٹا نہیں تھا۔ یہ کوئی اور شخص ہے۔ اب تم چین اور آرام سے رہو۔ تمہیں ستانے والے کو سزا مل گئی۔

جوتوں کی راکھ

۱۹۳۵ء میں یارک شائر کے ایک کسان کا لڑکا ٹام پارکن اپنے کمرے میں کھڑا تھا کہ بڑے زور سے بجلی کڑکی اور پھر وہ چمنی کے راستے کمرے میں گھس آئی۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس سے لڑکے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، بجلی صرف اس کے جوتوں کو جلا کر نکل گئی۔ یہ جلے ہوئے جوتے اب مقامی عجائب گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔

مرسلہ: سید الطاف حیدر، منڈیر سیداں، سیال کوٹ

خواجہ غلام السیدین

جب ہم پڑھتے تھے

خواجہ غلام السیدین مرحوم برّصغیر پاک و ہند کے بہت مشہور ماہر تعلیم اور دانش ور تھے، اچھے انشا اور بڑے ادیب تھے۔ لکھنے کا انداز بہت خوب صورت، سادہ اور رواں تھا۔ اپنی تحریروں میں انسان کی عظمت اور شرافت کی قدر کو بڑی خوبی سے نمایاں کرتے تھے۔ عمر بھر تعلیم سے وابستہ رہے۔ فنِ تعلیم پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ایک چھوٹی سی کتاب "روحِ تہذیب" میں بڑے پیارے انداز میں "انسان کی تلاش" کی کہانی لکھی ہے۔ خواجہ صاحب مرحوم کی ایک اور کتاب "آندھی میں چراغ" ہے، جس میں کئی بڑے لوگوں کے خاکے لکھے ہیں۔ یہاں ہم ان کا ایک بہت پرانا دل چسپ اور مفید مضمون شائع کر رہے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ دوسرے بزرگ بھی اپنے تعلیم کے زمانے کے حالات و واقعات لکھیں تاکہ نونہال ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مدیر

جب میں اپنے بچپن کے زمانے کو یاد کرتا ہوں جس کو اب تیس سال ہو چکے ہیں تو بہت سی تصویریں میری آنکھوں کے سامنے آتی ہیں لیکن اُن میں سے ایک تصویر ایسی ہے جو سب سے زیادہ صاف اور سب سے زیادہ روشن ہے۔ میری امّاں کی تصویر! یوں تو میں نے بچپن میں بہت سے عزیزوں اور بزرگوں کی محبت اور مثال سے فائدہ اٹھایا اور ان سے بہت کچھ سیکھا۔ (مثلاً اردو کے مشہور شاعر حالی میرے نانا تھے اور ان کے پاس بیٹھ کر ان کی شریف اور نورانی صورت دیکھ کر ہی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل و دماغ میں چراغ روشن ہو گئے ہیں) لیکن میرے بچپن کی سب سے خوش گوار یاد میری امّاں کی ذات ہے، جس میں خدا نے دُنیا بھر کی خوبیاں اور نیکیاں بھر دی تھیں۔ میں چند لفظوں میں اُن کی سیرت کی تصویر کس طرح کھینچوں۔ اُنھوں

اپنی مثال سے مجھے (اور میرے بھائی بہنوں کو) سکھایا کہ زندگی کو ایک قیمتی فرض سمجھنا چاہیے اور دکھایا کہ اس فرض کو کس طرح ادا کرنا چاہیے۔ وہ صبح چار بجے اُٹھتیں، نماز اور عبادت سے فارغ ہوتیں، پَو پھٹنے سے پہلے ہمیں جگاتیں، اسکول کے لئے تیار کرتیں، ناشتہ کراتیں، اور اس وقت سے لے کر رات کے سونے کے وقت تک برابر اپنے کاموں میں لگی رہتیں، اور وہ اُن کے کام کیا دوسروں کے کام ہوتے، جن کو وہ اپنا سمجھ کر کرتیں۔ میں نے اُنھیں ہمیشہ پڑوسیوں، غریبوں، محتاجوں، فقیروں کی مدد اور ان کا کام کرتے دیکھا۔ بیماروں کی دیکھ بھال کرتے دیکھا۔ گھر کے، مخلّے کے، نوکروں کے، بچّوں اور بچّیوں کو پڑھاتے دیکھا اچھی باتیں اور گھرداری کے کام سکھاتے دیکھا۔ ان کے دل میں اپنے پرائے کا کوئی بھید بھاؤ نہ تھا بلکہ اگر ہم میں سے کسی کا جھگڑا کسی دوسرے کے بچّے کے ساتھ ہوتا تو وہ ہمیشہ اپنوں کو روکتیں اور ٹوکتیں اور دوسروں کا زیادہ خیال رکھتیں تاکہ انصاف کا پلڑا برابر رہے۔ میں نے یہ انمول سبق اُنھی کے قدموں کی برکت سے سیکھا کہ چاہے جو کچھ ہو جائے سچ اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

میرے بچپن میں بچّوں کو اتنی آزادی نہ تھی جتنی آج کل انھیں حاصل ہے۔ وہ دراصل ڈسپلن کا زمانہ تھا۔ ہم بڑوں سے پُوچھے بغیر کوئی کام نہ کر سکتے تھے۔ مثلاً مجھے سائیکل چلانے کا بہت شوق تھا، لیکن جب تک اپنے چچا سے اجازت نہیں لے لی اور وہ بھی زبانی نہیں ایک خط لکھ کر، اس کو سیکھنے کی ہمّت نہیں ہوئی! میری دنیا زیادہ تر اپنے گھر، اسکول اور چند غریبوں کے گھروں تک محدود تھی۔ گلی یا سڑک پر دوسرے بچّوں کے ساتھ کھیلنا بہت بُرا سمجھا جاتا تھا، بلکہ اسکولوں میں بھی کھیل کا زیادہ رواج نہ تھا۔ جب کھیل ہوتے تو ماں باپ کی اجازت اور اُستادوں کی نگرانی میں ہوتے۔ معلوم ہے ہماری بہت بڑی سیر یا ایکسکرشن (EXCURSION) کیا ہوتی تھی؟ گھر سے دو میل دور ہمارا ایک باغ تھا، جس میں انار اور امرُود کے بہت اچھی قسم کے پیڑ تھے اور اس سے ایک میل آگے ایک نہر تھی، جو دریائے جمنا سے نکالی گئی تھی۔ کبھی اتوار کے دِن چند دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ بڑوں کی نگرانی میں ہم باغ اور نہر کی سیر کو جاتے تھے۔ خود تیرنا آتا نہ تھا اس لئے کاغذ کی کشتیاں بنا کر انھیں نہر میں ڈالتے اور اس طرح اپنا دل خوش کر لیتے تھے۔

میرا پہلا اسکول بھی ہمارے آج کل کے اسکولوں سے مختلف تھا۔ اس میں اُستاد، اُستادھے

شاگرد، شاگرد (اُنھیں پڑھاتے، لکھاتے، نصیحت کرتے، ڈانٹ ڈپٹ کرتے، مگر اُن کے ساتھ مِل جُل کر دوستوں کی طرح نہیں رہتے تھے۔ ایسا کرنا اُستاد کی شان کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہمیشہ ایک ہلکے بادامی رنگ کی پگڑی باندھا کرتے تھے۔ میں نے برسوں تک انھیں کبھی اُس کے بغیر نہیں دیکھا۔ شاید میرا یہ خیال تھا کہ وہ اسی طرح سر پر پگڑی باندھے پیدا ہوئے ہوں گے، اس لئے جب ایک دفعہ میں نے اُنھیں گھر پر ننگے سر دیکھا اور اُن کی صاف چُندیا پر نظر پڑی تو مجھے ایسا اَچنبھا ہوا جیسے ہندستان کے شمال سے ہمالیہ پہاڑ غائب ہوگیا ہو۔

اس اسکول میں صرف کتابی تعلیم ہوتی تھی۔ کوئی ہاتھ کا کام نہ کرایا جاتا تھا۔ لیکن جب میں بارہ سال کی عمر میں ایک اور مدرسے "حالی اسکول" میں داخل ہوا تو وہاں کی فضا دوسری قسم کی تھی۔ ہیڈ ماسٹر ایک قابل نوجوان گریجویٹ تھا، جو ہمارے کھیلوں میں شریک ہوتے تھے۔ ہم سے دوستوں کی طرح بات چیت کرتے تھے۔ کلاس میں خوش مزاجی کے ساتھ پڑھاتے اور مذاق کرتے، اس لئے جہاں ہم پہلے ہیڈ ماسٹر کی عزت کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے وہاں ان کے لئے دل میں محبت تھی دوستی اور بھروسا تھا، جب میں اس نئے اسکول میں داخل ہوا تو اس کی عمارت پوری طرح نہیں بنی تھی ہمارے ہیڈ ماسٹر اور سیکریٹری دونوں تعلیم کے گُر اچھی طرح جانتے تھے، اس لئے انھوں نے بہت سمجھ داری کے ساتھ کام لے کر ہم سب کو بھی اجازت دے دی کہ خالی وقت میں مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کیا کریں ہم اینٹیں ڈھوتے تھے، گارا تیار کرتے تھے، ریت اور سیمنٹ ملاتے تھے اور ہمارے ہیڈ ماسٹر وغیرہ بھی اس میں ہمارے ساتھ ساتھ اور پیش پیش ہوتے تھے۔ میں کیا بتاؤں کہ اس خیال سے کیسی خوشی ہوتی تھی کہ یہ ہمارا اسکول ہے۔ ہم لوگ کنوئیں پر باری باری رہٹ چلاتے اور پانی نکالتے اور اپنی بنائی ہوئی کیاریوں کو سیراب کرتے، اور جب زمین سے چھوٹے چھوٹے پودوں کو سر نکالتے دیکھتے تو ایسی خوشی ہوتی جیسی کسی چترکار (مُصوّر) کو اپنی بنائی ہوئی خوب صورت تصویر دیکھ کر ہوتی ہے۔ آج کل جو تعلیم میں ہاتھ کے کام پر اتنا زور دیتا ہوں، اس خیال کا بیج شاید میرے دل میں اُسی زمانے میں بویا گیا تھا۔

میرے بچپن کے زمانے میں ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں کے ایسے جھگڑے بالکل نہ تھے جیسے آج کل ہم لوگوں نے دیکھے اور سُنے ہیں۔ میں نے تو اپنے قصبے میں ہمیشہ اُنھیں دوستوں

اور پڑوسیوں کی طرح رہتے دیکھا ہے۔ دل کھول کر ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں، شادی بیاہ میں بیماری اور غمی میں شریک ہوتے اور دوسرے کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ شادی کا موقع ہوتا تو ہندو دوست مسلمانوں کے گھر آکر اور مسلمان دوست ہندوؤں کے گھر جاکر ہر طرح کا انتظام کراتے اور چاہے وہ ایک دوسرے کے یہاں کھانا نہ کھائیں، لیکن دل میں عزیزوں کی سی محبت رکھتے تھے! میرے ایک چچا جو بہت بڑے مولوی اور عالم تھے، شہر کے اسکول میں پڑھایا کرتے تھے اور ان کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں ہندو شاگرد تھے، جنھوں نے اسکول سے نکل کر اپنی دُکانیں اور کاروبار کر لیے تھے۔ جب کبھی میں ان کے ساتھ شہر کے بڑے بازاروں میں سے گزرتا تو دیکھتا کہ اُن کے یہ پرانے شاگرد اُن کو دیکھتے ہی کام چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے اور انھیں پرنام (سلام) کرتے یا اُن کے چرَن (قدم) چھُوتے اور خود میرے چچا کی آنکھوں میں محبت کی ایسی جھلک پیدا ہو جاتی جیسے کوئی باپ اپنے بیٹوں کو کامیاب دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ کبھی تو اِن آنکھوں نے یہ خوشگوار منظر دیکھا تھا اور پھر اِس عمر میں نہ جانے کیا کیا دیکھا!

موقع پیدا کرو

موقع کا انتظار نہ کرو بلکہ خود موقع پیدا کرو۔
موقع پیدا کرو جیسے لنکن نے جنگل میں شہتیروں پر بیٹھ کر کیا تھا۔
موقع پیدا کرو جیسے ہنری ولسن نے کھیتوں میں شام گزار کر کیا تھا۔
موقع پیدا کرو جیسے ڈگلس نے کاغذ کے پرزوں کے مطالعے سے پیدا کیا تھا۔
موقع پیدا کرو جیسے فرگوسن گڈریے نے پیدا کیا تھا جب کہ اُس نے تسبیح کے دانوں سے ستاروں کی بلندی اور فاصلے معلوم کیے۔
موقع پیدا کرو جیسے نپولین نے مختلف حالات میں پیدا کیا۔
موقع پیدا کرو جیسے علامہ اقبال نے خودی میں ڈوب کر کیا تھا۔

(مرسلہ: ایم ادریس غازی، کراچی)

خزانہ جس کا راز نہ کھل سکا

علی اسد

برطانیہ اور اس کی امریکی نوآبادیوں کے درمیان جس مشہور بحری کیپٹن ٹیچ نے ۱۷۱۶ء اور ۱۷۱۸ء کے درمیان سب سے زیادہ کھلبلی مچا رکھی تھی۔ لوگ اسے زیادہ تر بلیک بیرڈ کے نام سے جانتے تھے، جس کے معنی ہیں سیاہ داڑھی۔ اس کے قبضے میں کئی جہاز تھے۔ وہ تجارتی جہازوں پر حملے کرتا رہتا تھا اور سارا قیمتی ساز و سامان اور سونا چاندی لوٹ لیا کرتا تھا۔

جب بھی کوئی تجارتی جہاز والے بلیک بیرڈ کے کسی جہاز کا بادبان دیکھ لیتے تو وہ یہ سمجھ جاتے تھے کہ بس اب خیر نہیں۔ گرفتار ہونا تو لازمی ہے اور شاید جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔

بلیک بیئرڈ کے جہاز پر جو جھنڈا لہراتا تھا اس پر مُردے کی کھوپڑی اور ہڈیاں بنی ہوتی تھیں۔ اس ڈاکو کا نام بلیک بیئرڈ دراصل اس کی داڑھی کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔ اس کی داڑھی بالکل کالی اور بہت لمبی تھی۔ اُس کے چہرے پر صرف داڑھی ہی داڑھی نظر آتی تھی۔ وہ اپنی داڑھی کو چھوٹی چھوٹی چوٹیوں کی شکل میں بٹ لیا کرتا تھا۔ آپ نے پرانے زمانے کے انگریزوں کی تصویریں شاید دیکھی ہوں۔ اس زمانے میں لوگ نقلی بالوں کی ٹوپی کو خوب صورتی کے لیے پہنتے تھے۔ اِن نقلی بالوں میں عورتوں کی سی ایک چوٹی بھی ہوتی تھی جس کو فیتے سے باندھ لیا جاتا تھا۔ بلیک بیئرڈ اپنی داڑھی بالکل اِسی طرح سے کئی چوٹیوں کی شکل میں گوندھ لیا کرتا تھا۔

داڑھی کی وجہ سے وہ بڑا خوف ناک نظر آتا تھا اور یوں بھی وہ واقعی بڑا خطرناک آدمی تھا۔ خود اس کے آدمیوں پر بھی اس کا خوف ہمیشہ چھایا رہتا تھا۔

بلیک بیئرڈ ایک ایسا غنڈہ تھا جس سے دُور رہنا ہی بہتر تھا۔ لیکن جو تجارتی جہاز امریکا آتے جاتے رہتے تھے وہ اس بحری ڈاکو سے ہمیشہ محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔

سب سے زیادہ دِلچسپ سوال یہ ہے کہ اُس نے اُس تمام سامان کا کیا کیا جو اتنے بہت سے تجارتی جہازوں کو لُوٹ کر جمع کیا تھا؟ وہ سارا سونا چاندی کہاں گیا جو اُس نے بے شمار جہازوں سے حاصل کیا تھا؟

اِن سوالات کا جواب ہمیں ڈِک شیپرڈ سے پُوچھنا چاہیے جو بلیک بیئرڈ کی موت سے ایک روز پہلے اس کے جہاز پر موجود تھا۔ حالاں کہ اس وقت وہ صرف بارہ برس کا تھا۔ ڈِک شیپرڈ اس لٹیرے جہاز پر ایک قیدی تھا۔ وہ ایک جہاز پر اپنے والد کے ساتھ ورجینیا جا رہا تھا جو اُس زمانے میں ایک امریکی نو آبادی تھی۔ ڈِک کے والد وہاں آباد ہو گئے تھے۔ جس جہاز پر ڈِک سفر کر رہا تھا اس پر بلیک بیئرڈ نے قبضہ کر لیا۔ جہاز کا تمام مال لُوٹنے کے بعد اس نے جہاز کو اور اس کے مَلّاحوں کو چھوڑ دیا، لیکن ڈِک کو اپنے ساتھ لے گیا۔ بات یہ تھی کہ بلیک بیئرڈ کو ایک خدمت کرنے والے کی ضرورت۔ ڈِک کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بلیک بیئرڈ اس سے خوش تھا، چناں چہ اُس نے اپنے آدمیوں کو بھی حکم دے رکھا تھا کہ وہ ڈِک کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ بلیک بیئرڈ نے ڈِک کو اپنے جہاز پر رکھا تھا۔ وہ اسے اچھی طرح کھلاتا پلاتا مگر اپنے

کیبن کا کام بھی لیتا تھا۔

چند دنوں کے بعد بلیک بیئرڈ نے ایک اور تجارتی جہاز پر حملہ کیا اور اُسے اپنے قبضے میں کر لیا۔ پھر وہ دونوں جہازوں کو لے کر شمالی کیرولینا کے ساحل کے قریب ایک تنگ سی کھاڑی میں چلا گیا۔ یہ بھی ایک نوآبادی تھی۔ بلیک بیئرڈ نے اس جگہ لنگر ڈال دیے اور کچھ عرصے قیام کیا۔

بلیک بیئرڈ کو یہ معلوم نہ تھا کہ ورجینیا کے گورنر کو اُس کی موجودگی کا علم ہو چکا ہے اور وہ اس پر حملہ کرنے کے لیے جہازوں کو تیار کر رہا ہے۔ چناں چہ ایک روز رات کے وقت جب بلیک بیئرڈ اپنے کیبن میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا دو چھوٹے جنگی جہاز برطانوی سپاہیوں کو لیے ہوئے اسی کھاڑی کی طرف آہستہ آہستہ چلے آ رہے تھے۔

ڈک کو بھی اس بات کا علم نہ تھا۔ وہ بلیک بیئرڈ کو کھانا کھلا رہا تھا۔ آج بلیک بیئرڈ بڑا خوش معلوم ہو رہا تھا۔ وہ خوب ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ اُسے بہت سے لطیفے یاد تھے۔ مگر کبھی کبھی وہ خود جس بات پر قہقہے مارتا تھا وہ دوسروں کے لیے پُرلطف نہ ہوتی تھی۔ ایک بار اس نے کھانا کھاتے وقت میز کے نیچے یوں ہی پستول چلا دیا۔ دو ملاح بھی اس کے ساتھ کھا رہے تھے۔ اُس نے پستول محض مذاق کے طور پر داغ دیا تھا مگر ایک ملاح کا گھٹنا گولی سے اس بُری طرح زخمی ہوا کہ وہ آدمی عمر بھر کے لیے لنگڑا ہو گیا۔ بلیک بیئرڈ کے لیے تو یہ مذاق ہو گیا لیکن عزرائیل ہینڈرس نامی ملاح جو زخمی ہوا تھا اس کے لیے یہ مذاق مصیبت بن گیا۔

آج بلیک بیئرڈ بڑا خوش معلوم ہو رہا ہے تھا، مگر اُس نے پستول نہیں داغا۔ وہ صرف اپنے ساتھی کے سے ہنسی مذاق کرتا رہا اور قہقہے لگاتا رہا۔ ڈک نے کھانا لگا دیا اور کیبن کے باہر چلا گیا، مگر وہ بہت دُور نہیں گیا۔ کیوں کہ اس نے بلیک بیئرڈ کی آواز کو تیز ہوتے ہوئے سُنا۔ بلیک بیئرڈ کہہ رہا تھا۔

"خزانہ؟ ہاں، ہاں، میں جانتا ہوں وہ کہاں دفن ہے؟ میرا خواہ کچھ بھی حشر ہو مگر خزانہ محفوظ ہے!"

ڈک کیبن کے باہر رُک گیا۔ وہ ایک بہادر لڑکا تھا۔ حالاں کہ وہ اُس لٹیرے جہاز پر ایک

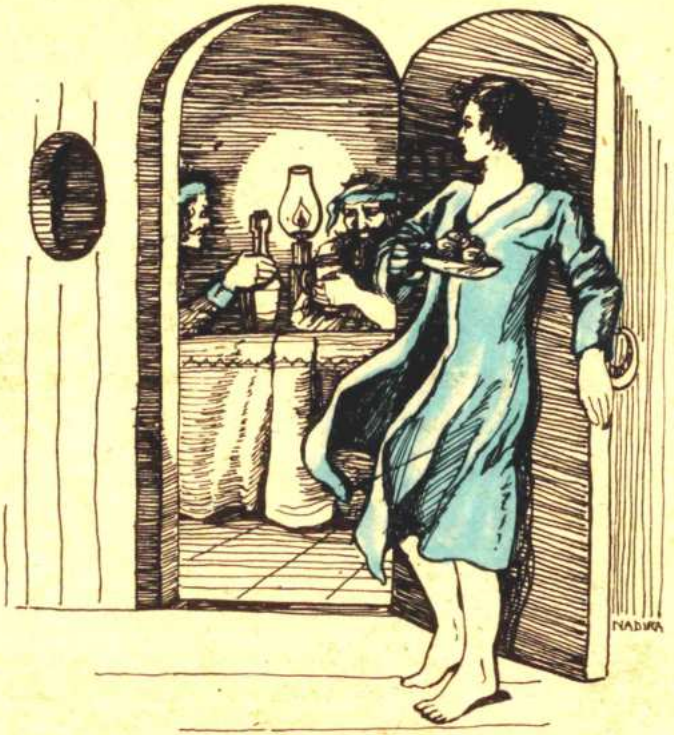

قیدی تھا اور اسے اکثر اپنی جان کا خوف بھی رہتا تھا پھر بھی اس کی دلیری میں کوئی فرق نہیں آیا۔ چناں چہ وہ سوچنے لگا کہ اگر اُسے یہ پتا چل جائے کہ اس ڈاکو نے خزانہ کس جگہ دفن کر رکھا ہے تو وہ حکام کو بتا دے گا، بشرطیکہ وہ بھاگنے میں کام یاب ہو سکے، اور ممکن ہے کہ وہ بھاگ سکے۔ شاید رات کی تاریکی میں وہ جہاز سے سمندر میں کود سکے اور پیرتا ہوا کنارے پر پہنچ سکے۔ پھر جنگلوں اور بیابانوں سے گزرتا ہوا کسی آبادی تک پہنچ سکے۔

بلیک بیرڈ بڑی دیر سے شراب پی رہا تھا۔ ڈِک دروازے کے باہر کان لگائے سنتا رہا ہے۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ چناں چہ اس نے بلیک بیرڈ کو کہتے ہوئے سنا:

"میری لینڈ میں دریائے یارک کے کنارے ایک چھوٹی سی ریتیلی کھاڑی ہے۔ اس کے سِرے پر جو جگہ ہے وہیں وہ خزانہ دفن ہے۔ یہ جگہ جزیرۂ ٹلبری کے قریب ہے۔ وہاں پانچ

درخت لگے ہوتے ہیں۔ بس وہیں خزانہ ہے۔ اگر مجھے کچھ ہو جاتے تو اس جگہ پہنچ جانا اور اُسے کھود لینا۔"

ڈِک کا دِل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کیا بلیک بیئرڈ سچ کہہ رہا ہے؟ کیا واقعی خزانہ دریائے پارک کے کنارے دفن ہے؟ کیا بلیک بیئرڈ نشے میں چُور ہے اور اُسے یہ پتا نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ شاید یہی بات ہے۔ کیوں کہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ وہ کسی دُوسرے کو یہ بتا دے کہ لُوٹ کا مال کہاں چھُپا ہوا ہے، لیکن شاید نشے کی وجہ سے اس کی زبان پر لگام نہیں رہ گئی ہے۔ تاہم اُسے اتنا ہوش ہے کہ وہ سچ بول سکے۔

ڈِک عرشے پر چلا گیا۔ اب خوب اندھیرا ہو چکا تھا۔ ساحل تھوڑی ہی دور پر تھا اور عرشے پر اُس وقت کوئی نہیں تھا۔ ڈِک نے ہمت کر لی۔ وہ عرشے کا جنگلا پار کر کے ایک رسّی کے سہارے چپکے سے سمندر میں اُتر گیا۔ پانی بڑا ٹھنڈا تھا۔ سردیوں کا موسم تھا لیکن ڈِک تیرتا ہوا ساحل کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ کنارے پہنچ گیا۔ کسی نے اس کو نہیں دیکھا پھر وہ جنگل میں داخل ہو گیا۔ اُسے صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ ورجینیا میں کہیں پر ہے۔ ممکن ہے آبادی اس جگہ سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر ہو یا اس سے بھی دُور ہو۔ چاروں طرف گھنا جنگل تھا۔ ہر طرف ویرانی تھی۔ بہرحال وہ بڑی بہادری سے جھاڑیوں اور درختوں میں سے گزرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ ایک آبادی تک پہنچتے پہنچتے اسے کئی مہمات سر کرنی پڑیں۔ اگر وہ جہاز پر رہ جاتا تب بھی اُسے مہمات سے سابقہ کرنا پڑتا، لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اُس کے چلے آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد جنگی جہاز خلیج اوکراکوک میں داخل ہو گئے تھے اور بلیک بیئرڈ پر حملہ کر دیا۔

لیفٹیننٹ مینارڈ سب سے بڑے جنگی جہاز پر تھے۔ انھوں نے رات بھر کے لیے لنگر ڈال دیے تھے، کیوں کہ اس وقت اتنا اندھیرا تھا کہ کوئی کام ٹھیک سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ صرف توپ کے گولے جب چھوٹتے تھے تو اس کے شعلوں سے ذرا دیر کے لیے روشنی ہو جاتی تھی۔ اصل جنگ صبح کو شروع ہوئی۔ مینارڈ نے حکم دیا کہ چھوٹا جنگی جہاز بلیک بیئرڈ کے جہاز کے قریب پہنچنے کی کوشش کرے تاکہ کچھ سپاہی چھلانگ لگا کر بلیک بیئرڈ کے جہاز پر پہنچ جائیں مینارڈ اپنا بڑا جہاز لے کر چھوٹے جہاز کے پیچھے روانہ ہوا مگر بڑا جہاز مٹی میں دھنس

گیا۔ دوسرے جہاز کا بھی یہی حشر ہوا، کیوں کہ یہ کھاڑی بہت اُتھلی تھی۔
بَلیک بیئرڈ نے بادبان کھول دیے اور بھاگنے کی کوشش کی مگر مَینارڈ نے اپنے جہاز کو نکال لیا اور اُس کا پیچھا شروع کیا۔ اب آگے آگے بَلیک بیئرڈ کا جہاز تھا اور اس کے پیچھے

پیچھے مَینارڈ کا۔ دونوں ایک دوسرے پر گولے برسا رہے تھے۔ بَلیک بیئرڈ کے جہاز نے ایک ایسا گولہ مارا کہ ایک جنگی جہاز کا کمانڈر اور اُس کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ بَلیک بیئرڈ بھاگنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن مَینارڈ بھی اپنی دُھن کا پکّا تھا۔ وہ اپنے جہاز کو لُٹیرے جہاز کے قریب لے آیا اور چھلانگ مار کر بَلیک بیئرڈ کے جہاز پر پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ اس کے کچھ سپاہی بھی کود کر پہنچ گئے۔ اب دست بہ دست لڑائی شروع ہو گئی۔ تلواریں چلنے لگیں اور دونوں طرف کے آدمی پستول سے ایک دوسرے پر گولیاں چلانے لگے۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔
آخر کار حکومت کے بحری بیڑے کو فتح حاصل ہوئی۔ مَینارڈ نے خود اپنے ہاتھ سے بلیک بیئرڈ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ بحری ڈاکوؤں نے ہتھیار ڈال دیے اور فاتح تھوڑی دیر بعد وہاں سے

روانہ ہو گئے۔ بلیک بیئرڈ کا سَر کاٹ کر لیفٹننٹ مینارڈ کے جہاز پر لٹکا دیا گیا۔

یہ ہوا بلیک بیئرڈ کا انجام..... لیکن ڈِک شیپرڈ اور خزانے کا کیا ہوا؟ تو سُنیئے کہ ڈِک بڑی دُشواریوں سے ایک آبادی تک پہنچ گیا۔ وہاں وہ بہت دِنوں تک بیمار پڑا رہا، لیکن آخر کار صحت یاب ہو گیا۔

اس نے بلیک بیئرڈ کے خزانے کے بارے میں لوگوں سے ذِکر کیا لیکن کسی نے اُس کی بات کا یقین نہ کیا۔ لوگ سمجھے کہ اُس نے خواب دیکھا ہے یا پھر من گھڑت سُنا رہا ہے۔ کُچھ لوگوں کو تو اس کا بھی یقین نہ آیا کہ وہ بلیک بیئرڈ کا قیدی رہ چکا ہے۔ جب ڈِک بڑا ہوا تو وہ دریائے یارک کے کِنارے پہنچا اور خزانے کو تلاش کیا مگر وہ اسے کبھی نہ ملا۔

بلیک بیئرڈ کے مارے جانے کے کُچھ عرصے بعد ایک پُرتگالی آدمی نے بتایا کہ وہ بلیک بیئرڈ کے ساتھ رہ چُکا ہے۔ اس نے بھی خزانے کا تذکرہ کیا اور وہی سب کہا جو ڈِک نے کہا تھا، یعنی یہ کہ خزانہ جزیرۂ مُلبری کے قریب پانچ درختوں کے پاس دفن ہے، چناں ایک بار پھر خزانے کو تلاش کیا گیا مگر وہ کبھی نہ مِل سکا۔

سوال یہ ہے کہ آخر حقیقت کیا تھی؟ کیا ڈِک شیپرڈ سچ بول رہا تھا یا اُس نے

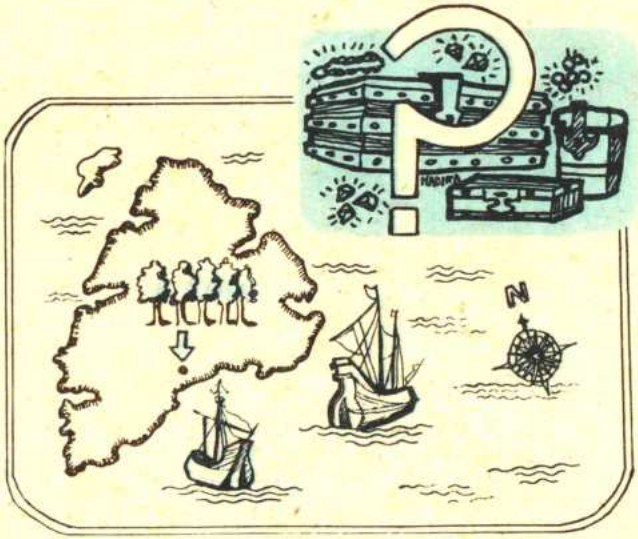

بلیک بیئرڈ کے بارے میں یہ اَفسانہ بنالیا؟ کیا وہ پُرتگالی مَلّاح سچ بول رہا تھا؟ اگر یہ دونوں واقعی سچ کہہ رہے تھے تو پھر کیا بلیک بیئرڈ اس رات کو محض مذاق کر رہا تھا؟

خزانہ بہرحال نہیں مِلا۔ رَیت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے اور پھر بھاری بھاری صَندوق اور وہ بھی لوہے کے، زمین میں دَھنس بھی تو سکتے ہیں۔ دَرخت آئے دن کاٹے جاتے رہتے ہیں اور طوفان سے گر بھی جاتے ہیں اور تباہ بھی ہوجاتے ہیں۔ جس وقت تک لوگ خزانے کو تلاش کرنے دریائے یارک پہنچے ہوں گے اُس وقت تک وہ پانچ دَرخت غائب ہوچکے ہوں گے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تلاش کرنے والوں نے غلط مَقامات پر تلاش کی ہو۔ یا ممکن ہے اُنھوں نے زمین کو کافی گہرا نہ کھودا ہو۔ ممکن ہے کہ میری لینڈ میں دریائے یارک کے قریب وہ قیمتی خزانہ آج بھی کہیں پڑا ہُوا ہو۔

دُنیا میں بہت سی پُراَسرار باتیں ہیں۔ ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بلیک بیئرڈ کے خزانے کا کیا حشر ہوا؟ کیا وہ کبھی تلاش کیا جاسکے گا یا نہیں؟

(۱) امیر تیمور کا مقبرہ سمرقند میں ہے۔ (۲) ظہیرالدین بابر کا مدفن افغانستان کے شہر کابل میں ہے، (۳) نورجہاں کا مقبرہ پاکستان کے شہر لاہور میں ہے، (۴) جہانگیر کا مقبرہ بھی پاکستان کے شہر لاہور میں ہے، (۵) حضرت ایوب انصاریؓ کا مزار ترکی کے شہر استنبول میں ہے، (۶) آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا مزار برما کے شہر رنگون میں ہے۔ (۷) مولانا محمد علی جوہر کا مزار بیت المقدس میں ہے، (۸) حضرت بایزید بسطامیؒ کا مزار ایران کے شہر بسطام طریف میں ہے (۹) برصغیر کے مشہور گویّے تان سین کا مزار ہندستان کے شہر گوالیار میں ہے۔ (۱۰) مشہور غزل گو شاعر سعدیؒ کا مزار ایران کے شہر شیراز میں ہے۔ (۱۱) سلطان قطب الدین ایبک کا مدفن انارکلی بازار لاہور میں ہے (۱۲) شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کا مدفن خلد آباد (اورنگ آباد دکن) میں ہے، (۱۳) سرسید احمد خاں کا مزار جامع مسجد علی گڑھ یونیورسٹی کے صحن میں ہے۔

(مرسلہ: خرّم نثار، کراچی)

خوشامدی درباری

ڈاکٹر یونس حسنی

اب سے کوئی ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ برطانیہ میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کا نام تھا کینیوٹ۔ یہ کینیوٹِ اعظم کہلاتا تھا۔ یہ صرف برطانیہ کا ہی بادشاہ نہیں تھا بلکہ ڈنمارک اور ناروے بھی اس کی مملکت میں شامل تھے۔ آج کل ڈنمارک اور ناروے آزاد اور خود مختار ملک ہیں۔ کینیوٹ کو کینیوٹ اعظم اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ تین ملکوں کا تنہا بادشاہ تھا بلکہ وہ اس لیے عظیم سمجھا جاتا تھا کہ وہ بڑا لائق بادشاہ تھا اور اس

نے اپنی رعایا کی خوشی اور خوش حالی کے لیے بڑا کام کیا تھا۔

مزے کی بات یہ ہے کہ وہ برطانوی نہیں تھا۔ وہ ڈنمارک میں پیدا ہوا تھا۔ انگریز کسی غیر برطانوی کو اپنا بادشاہ نہیں بناتے مگر کینیوٹ سے وہ خوش تھے۔ کیوں کہ وہ بڑا محنتی ہونے کے ساتھ بڑا انصاف پسند، رحم دِل اور خوش مزاج بادشاہ تھا۔

تمام بادشاہوں کی طرح وہ بھی اپنے درباریوں سے کام لیتا تھا۔ اس کے اکثر درباری بڑے فرض شناس اور محنتی تھے۔ وہ اپنے فرائض ایمان داری سے انجام دیتے تھے اور اسی لیے اس کی رعایا امن و سکون سے زندگی بسر کرتی تھی مگر بُرے لوگ کہاں نہیں ہوتے۔ کینیوٹ کے دربار میں بھی کچھ ایسے لوگ تھے جو محض کھانے چاٹنے کے لیے ہُوا کرتے ہیں۔ وہ بادشاہ کے شاندار جلوسوں میں شریک ہوتے، دعوتیں اُڑاتے اور کام کاج کچھ نہیں کرتے۔ اُن کا خیال تھا کہ بادشاہ کی خوشامد اور چاپلوسی کر کے وہ اُسے خوش رکھ سکتے ہیں۔ چناں چہ وہ ہر بات میں اس کی ہاں میں ہاں مِلاتے، اس کی خوشامد کرتے اور اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملایا کرتے تھے،

حضور آپ عجیب و غریب انسان ہیں۔" اُن میں سے کوئی چاپلوس کہتا۔" دُنیا میں آج تک آپ جیسا عظیم انسان پیدا نہیں ہوا۔ آپ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہوتا ہے، جو کچھ کرتے ہیں دُرست ہوتا ہے۔"

"دیکھو تو بھلا۔" دوسرا خوشامدی ٹکڑا لگاتا "تین مختلف ملکوں کی بادشاہت اور اس انداز میں کہ رعایا میں سب خوش و خرم ہیں اور اپنے عظیم بادشاہ کی خوشی کے علاوہ اُنھیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

"اجی ہمارے بادشاہ سلامت کی بات ہی اور ہے۔" تیسرے صاحب لقمہ دیتے۔ "انسان ہی نہیں دُنیا کی ہر چیز ان کا حکم مانتی ہے۔ اگر وہ دریا کو حکم دیں تو وہ بہنا چھوڑ دے۔ اگر سمندر کی لہروں کو حکم ہو تو وہ واپس چلی جائیں۔"

کینیوٹ بڑا بیدار مغز اور سوجھ بُوجھ رکھنے والا بادشاہ تھا، اسے چاپلوسی اور

خُوشامد کی باتیں قطعاً پسند نہیں تھیں۔ وہ رعایا کی بھلائی میں اس طرح لگا رہتا تھا کہ اس کی توجہ کبھی ان کی خُرافات اور بے کار باتوں کی طرف نہ ہوتی تھی۔ ایک روز اس کی خوش مزاجی رنگ لائی اور اُس نے ان خُوشامدیوں کو سبق دینے کا سوچا۔ ایسی ہی ایک بات پر ایک دن اس نے اپنے ایک درباری سے کہا، "کیا واقعی تمھارا خیال ہے کہ یہ عظیم سمندر جسے خدا نے اپنی قدرت سے بنایا ہے، میرے حُکم کی تعمیل کر سکتا ہے اور ایک انسان کے کہنے سے اس کی لہریں قابو میں آسکتی ہیں۔"

"ہم تو بہت ادنا درجے

کے اِنسان ہیں۔" درباری نے کہا، "ہماری بات بھلا سمندر پر کیا اثر کرے گی، لیکن اگر حضور سمندر کو حکم کریں کہ وہ سمٹ جائے تو وہ یقیناً سمٹ جائے گا۔ اگر آپ حکم دیں کہ وہ بپھر جائے تو ٹھاٹھیں مارنے لگے گا۔ غرض آپ کے ہر حکم کی تعمیل چُپ چاپ بے چُون وچرا کرے گا۔"

"اچھا تو پھر ہم آج ہی اس کی آزمائش کریں گے۔ ملازموں اور خادموں کو حکم دیا جائے کہ وہ ما بدولت کا تخت اور تم لوگوں کی چوکیاں سمندر کے کنارے پہنچا دیں۔ آج شام ہم ساحلِ سمندر پر گزاریں گے۔" حکم کی تعمیل میں خادموں نے بادشاہ کا بُلند و بالا تخت سمندر کے کنارے ریت پر پہنچا دیا۔ تخت کے ذرا آگے درباریوں کی چوکیاں بچھا دی گئیں۔

موسم بڑا خوش گوار تھا۔ سمندر خاموش تھا۔ سُورج غروب ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی خوش گوار ہوا چل رہی تھی اور آبی پرندے اِدھر اُدھر اُڑ رہے تھے۔ درباری منظر کی دِل کشی سے لُطف لینے لگے لیکن کینیوٹ اپنے کام میں مشغول تھا۔ وہ سرکاری کاغذات میں سر کھپا رہا تھا اور درخواستوں پر احکام لکھ رہا تھا۔ سمندر کا پانی دِھیرے دِھیرے درباریوں کی طرف بڑھ رہا تھا اور خوشامدی درباری ایک دوسرے سے اس طرح بلند آواز میں گفت گو کر رہے تھے کہ بادشاہ بھی سُن لے۔ ایک نے کہا،

"دیکھو اب پانی دِھیرے دِھیرے بڑھے گا اور اپنے آقا کے پاؤں چھُوئے گا۔"

"صِرف پاؤں چھُوئے گا اور عظیم آقا کا حکم پاتے ہی لہریں سر جُھکا دیں گی اور واپس چلی جائیں۔" دوسرے نے لقمہ دیا۔

لیکن لہروں نے ایسا نہیں کیا۔ پانی نے تیزی سے بڑھنا شروع کیا اور سمندر کے قریب کے درباریوں کے کپڑے بھیگنے لگے۔ اُنھوں نے اپنی عبائیں اتار دیں اور کپڑے سمیٹ کر سہمے سہمے اپنی چوکیوں پر سکڑ گئے۔ بادشاہ نے گردن اٹھائی اور درباریوں سے کہا،

"کیا اب بھی آپ کا یہی خیال ہے کہ سمندر میرے حکم کی تعمیل کرے گا اور واپس چلا جائے گا؟"

"جی ہاں حضورِ والا۔" درباریوں نے جواب دیا۔ مگر اب ان کی گفت گو میں پہلے جیسا جوش

جوش و خروش نہیں رہا تھا۔

بادشاہ اپنے تخت پر کھڑا ہوا۔ اس نے میان سے تلوار نکالی اور رُعب دار آواز میں کہا، "اے سمندر! اب اور آگے نہ بڑھ اور اے لہرو! ٹھہر جاؤ۔ میں برطانیہ، ڈنمارک اور ناروے کا شہنشاہ تم سے مخاطب ہوں اور تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تعمیل کرو اور واپس ہو جاؤ۔" یہ کہہ کر بادشاہ پھر اپنے تخت پر بیٹھ گیا اور اطمینان سے کاغذات کا مُطالعہ کرنے لگا۔

ادھر سمندر بپھرتا گیا۔ طوفان بڑھتا گیا اور لہریں بلند سے بلند تر ہوتی گئیں۔ یہاں تک جو کی پر بیٹھے ہوئے درباریوں کے

سارے کپڑے بھیگ گئے۔ وہ اپنی اپنی چوکیوں پر کھڑے ہو گئے مگر لہریں اتنی تیز تھیں کہ ریت چوکیوں کے نیچے سے بہے جاتی تھی۔ تھوڑی دیر میں درباریوں کی چوکیاں بھی اُلٹ گئیں اور درباریوں میں چیخ و پکار مچ گئی۔

"حضور میں مرا"

"آقا میں چلا"

"حضورِ والا بچائیے، جہاں پناہ مدد کیجیے" کی آوازیں آنا شروع ہوئیں۔

یکایک بادشاہ کی آواز آئی۔ "اپنی اپنی چوکیاں خود اُٹھاؤ اور چلتے بنو۔ بے وقوف لوگو! اگرچہ میں بادشاہ ہوں مگر تمھارے جیسا انسان ہوں۔ میں لہروں اور سمندروں پر حکمرانی کا دعوا نہیں کر سکتا۔ قدرت پر حکم تو صرف خدا کا چلتا ہے۔ یہ میرے پاؤں دیکھو۔ یہ بھی اسی طرح بھیگے ہوئے ہیں جس طرح تم بھیگے ہوئے ہو۔ سمندر نے تمھارے اور میرے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا، اس لیے کان کھول کر سُن لو کہ آئندہ کوئی ایسی بات نہ کہنا جس کا حقیقت سے تعلق نہ ہو۔"

یہ کہہ کر بادشاہ اپنے تخت سے اُترا۔ اس کے ایک ہاتھ میں شاہی عصا تھا اور دوسرے ہاتھ میں کاغذات کا پلندہ۔ وہ اپنے کپڑوں کو بچاتا ہوا خشکی پر آیا۔ چاپلوسی درباری سر جھکائے ندامت کے ساتھ پیچھے پیچھے چلے آتے تھے۔

دنیا کی سب سے بڑی لائبریری

دنیا میں سب سے بڑی لائبریری، امریکا کے دارالحکومت واشنگٹن میں امریکی کانگرس کی لائبریری ہے، جس میں کتابوں کے علاوہ فوٹو گراف، فلمیں اور قلمی مسودوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے۔ اس لائبریری کی تمام الماریوں کو اگر ایک قطار میں کھڑا کر دیا جائے تو ان کی لمبائی دو سو ستّر میل بنتی ہے۔ اس لائبریری میں پانچ ہزار کتابیں صرف اندھوں کے لیے ہیں۔ یہ کتابیں ابھرے ہوئے حروف میں چھپی ہیں جنھیں انگلیوں سے ٹٹول کر پڑھا جاتا ہے۔ اس لائبریری میں بائبل کی وہ جلد بھی ہے جو ۱۴۵۰ء میں پہلی بار ٹائپ میں چھپی تھی۔

جاگو جگاؤ

ہمدرد انسائیکلوپیڈیا
نونہالانِ وطن کے لیے

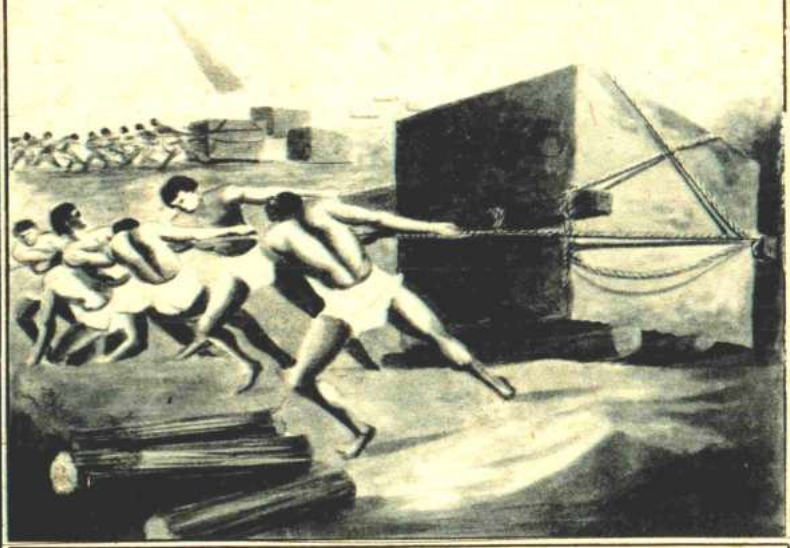

پیارے بچو! جاگو جگاؤ، علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدس فریضہ ہے۔

حکیم محمد سعید

س : کتابوں میں پڑھا ہے کہ اہرامِ مصر بہت بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ ایک ایک پتھر اتنا بڑا ہے کہ اس کو ہٹانے یا کھینچنے کے لیے سینکڑوں مزدوروں سے کام لیا جاتا تھا اتنی سخت محنت کا کام مزدوروں کے بجائے اُونٹوں سے بھی لیا جا سکتا تھا۔ کیا اس کی کوئی خاص وجہ تھی ؟ (عفت علی، کراچی)

ج : آپ کا خیال اور سوال دِل چسپ ہے۔ یہ بات یقیناً آپ کے علم میں ہوگی کہ مصر کو تحفۂ نیل بھی کہتے ہیں۔ مصر کی زرخیزی اور خوش حالی کا انحصار ہزاروں سال سے دریائے نیل پر ہے اس لحاظ سے وہ کبھی بھی ایک ویران اور ریگستانی علاقہ نہیں رہا۔ اُونٹ ریگستانی جانور ہے، چناں چہ اسے ریگستان کا جہاز بھی کہتے ہیں۔ ماہرین کے اندازے کے مطابق اہرام کی تعمیر کے وقت مصر میں اُونٹ موجود نہیں تھے۔ یہ جانور اس ملک میں اہرام کی تعمیر کے دو ہزار سال بعد آیا۔ ایسی صورت میں اہرام کی تعمیر میں ان سے کام لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مصری اہرام کی تعمیر کا کام زیادہ تر یہودیوں نے کیا جو حضرت موسیٰ کے زمانے تک مصر میں غلامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مصر کے فرعون اپنی غلام قوموں سے سخت محنت کروانے کے عادی تھے۔ وہ ان کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرتے تھے۔ ایک اور دِل چسپ بات کا تذکرہ بھی مناسب ہوگا۔ ان مزدوروں کو زیادہ تر پیاز اور لہسن کھلایا جاتا تھا۔ مصر کے فرعونوں نے یہ اہرام تقریباً تین ہزار سال قبل تعمیر کرائے تھے۔ مشہور مورخ ہیروڈوٹس جسے بابائے تاریخ بھی کہتے ہیں، کے مطابق "ذوسر" ہرم کی تعمیر میں ایک لاکھ مزدور مارے گئے اور یہ بیس سال میں مکمل ہوا تھا۔ یہ ان تمام اہرام میں سب سے بلند ہرم ہے۔ اس کی بلندی ۴۸۱ فیٹ اور بنیاد کا رقبہ ۷۵۶ فیٹ ہے۔

مصری لاشوں کو محفوظ کرنے (حنوط) کے طریقے جانتے تھے، اس لیے وہ مصری فراعین اور ان کی بیویوں کی لاشوں کو محفوظ کر کے اہرام میں الگ الگ کمروں میں رکھ دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ انسان مرنے کے بعد موت کے سمندر میں سفر کرتا ہے جس کے بعد وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے اچھے یا بُرے جزیرے میں پہنچ جاتا ہے۔ اس لیے وہ ان اہراموں میں تمام ضروری سامان وغیرہ کے علاوہ شاہی بجرا (کشتی) بھی رکھ دیا کرتے تھے۔

س: ہمیں بھوک کیوں لگتی ہے؟ اگر ہم کھانا نہ کھائیں تو کیا نقصان ہوگا؟ کھانا ہمیں کیسے طاقت دیتا ہے؟ کھانا کھانے کے بعد ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

مرسلہ: ذوالفقار علی شیخ۔ قنبر

ج: ہماری زندگی کا انحصار جن چند چیزوں پر ہے ان میں غذا بھی شامل ہے۔ ہمارا جسم اسی سے طاقت حاصل کرتا ہے۔ جب معدہ خالی ہو جاتا ہے تو بعض اعصاب دماغ کے ایک مرکز کو اس بات کی اطلاع دیتے ہیں۔ جب اسے تحریک ہوتی ہے تو ہمیں بھوک محسوس ہوتی ہے۔ پچھلا کھانا کھاتے ہوئے ہمیں جتنا زیادہ عرصہ گزر جاتا ہے، بھوک بھی اتنی ہی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ اگر ہم بھوک لگنے کے باوجود کھانا نہ کھائیں تو ہمارا جسم کمزور ہوتا چلا جاتا ہے کیوں کہ غذا نہ ملنے کی صورت میں جسم پہلے سے موجود پانی اور غذائی ذخیرے کو تیزی سے استعمال کرتا ہے۔ یہ ذخیرہ بھی ختم ہو جائے تو پھر کچھ دن بعد انسان مر جاتا ہے۔ غذا معدے میں پہنچ جاتی ہے تو ہاضمے کے ساتھ ساتھ وہ بعض جوہروں میں بھی تقسیم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اچھی غذا سے اچھا خون بنتا ہے۔ خلیے غذا سے ہی طاقت حاصل کرتے ہیں اور یوں ہمارے پورے جسم کو طاقت ملتی ہے۔

کھانا کھانے کے بعد آرام ضروری ہے، لیکن اس بات کا تعلق موسم سے بھی ہے مثلاً گرمیوں میں ہم دوپہر کا کھانا کھا کر تھوڑی دیر کو سو جاتے ہیں۔ ہمارے ملک کی آب و ہوا ایسی ہے کہ کھانا کھاتے ہی نشہ سا چھا جاتا ہے اور ہم بستر پر دراز ہونے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسے قیلولہ کہتے ہیں۔ یہ صحت کے لیے مفید ہے۔ بالعموم دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر لیٹ جانا اور رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی کرنا صحت کے لیے اچھا رہتا ہے۔ کھانا کھانے کے فوری بعد لکھنا پڑھنا، بھاگ دوڑ اور سخت محنت نہیں کرنی چاہیے۔

س: بال کیوں جھڑتے ہیں؟ اس کا علاج بتائیے۔

سید اعجاز حیدر رضوی، کراچی

ج: یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا لیکن بالعموم یہی سمجھا جاتا ہے کہ بالوں کا گرنا

بہت کچھ موروثی ہوتا ہے۔ یہ نقصان بیٹے کو باپ سے وراثت میں ملتا ہے۔ جسم کے دوسروں حصّوں کی طرح بال بھی ہمارے جسم سے طاقت اور نشو و نما حاصل کرتے ہیں۔ جب اُنھیں مناسب غذا پوری مقدار میں نہیں ملتی تو اُن کی جڑیں خشک ہوجاتی ہیں اور وہ جھڑنے لگتے ہیں۔ اب تک کوئی دوا یا تیل ایسا ایجاد نہیں ہوا جس کے لگانے سے بال نہ گریں یا دوبارہ اُگ آئیں۔ اشتہاری چیزوں پر رُپیہ ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ سرجری کے ذریعہ سے اب بالوں کے گچھے اسی طرح سر پر لگا دیے جاتے ہیں جس طرح کھیت میں دھان کی پنیری لگائی جاتی ہے۔ یا اب وگ لگانے کا رواج بڑھ رہا ہے۔

س: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ دِل کا حملہ کیوں ہوتا ہے اور اس میں کیا تدابیر اختیار کرنی چاہییں؟

مرسلہ: عمران الرحیم۔ لانڈھی

ج: آپ کا سوال طویل جواب چاہتا ہے۔ ایسے مضامین "ہمدرد صحت" میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ چاہیں تو تفصیل کے لیے اُن کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ہارٹ اٹیک" یا دِل کے حملے کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن بنیادی وجوہ سُستی، کاہلی، بھاری غذاؤں کا استعمال، ورزش سے پرہیز اور مُٹاپے کو صحت سمجھ لینا ہیں۔ یاد رکھو! دُنیا میں فربہی (مُٹاپے) سے زیادہ خطرناک بیماری کوئی نہیں ہے۔ یہیں سے ہائی بلڈ پریشر یا فشارالدم کی ابتدا ہوتی ہے۔ خون کا دَباؤ بڑھتا ہے تو دِل کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ موٹے آدمی کے پورے جسم میں خون پہنچانے کے لیے بھی قلب کو فالتو محنت کرنی پڑتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دن دِل تھک جاتا ہے اور ذرا سا بہانہ اسے ٹھہرا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اسی کو ہارٹ اٹیک اور ہارٹ فیلیور کہتے ہیں۔ خون میں چربی جیسے نہایت مختصر ذرات جب ہماری رگوں اور شریانوں میں پھنسنے لگتے ہیں تو دل کو خون پوری مقدار میں نہیں ملتا اور وہ ٹھہر جاتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ اپنے قلب کو ٹھیک رکھنا چاہتے ہیں تو سادہ اور متوازن غذا کھایئے۔ صبح سویرے اُٹھیے، سیر کو جایئے، ورزش کیجیے اور اپنی روزمرّہ زندگی صحت کے اصولوں کے مطابق بسر کیجیے۔

وقار محسن

پھُولوں کے سفیر

پھُول باغ کا نام ضرور رنگ برنگے شہد اور خُوشبو سے بھرے پھُولوں کی وجہ سے مشہُور تھا لیکن پھُول باغ کا حسُن اور اس کی رونق دراصل اس دوستی کی وجہ سے تھی جو پھُولوں، پرندوں، پودوں اور جانوروں کے درمیان تھی۔ درختوں کی ڈالیوں سے پھُدکتے ہوئے ننھے پرند، آموں کے درختوں پر جادُو بھری آواز والی کوئل، گدرائے ہوئے امرُودوں پر چونچیں مارتے ہوئے توتے، ہرے مخمل جیسی گھاس پر کچّے بادام جیسی سُرخ سُرخ آنکھوں والے خرگوش، پھُولوں کے کانوں میں سِتار

بجاتے ہوئے بھونرے، پھول باغ میں اس طرح زندگی گزارتے جیسے سب ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہوں۔ اگر کسی دن گلاب کو زکام ہو جاتا تو بی گلہری اپنے گھر کے کام چھوڑ کر گلاب کی تیمارداری میں لگ جاتیں۔ بندر جامن کے درخت کی ڈالیاں اتنی زور سے ہلاتا کہ زمین اودی اودی رس بھری جامنوں سے ڈھک جاتی۔

شیطان امن، محبت اور دوستی کا دشمن ہے، اسے پھول باغ کے رہنے والوں کی یہ بے مثال دوستی دیکھ کر بڑی جلن ہوتی۔ اس کو ہر وقت یہ فکر رہتی کہ کسی طرح پھولوں اور پرندوں میں نفرت کی آگ پھیل سکے۔ ایک دن شیطان نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور کہا،

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم انسان کو تو بہت آسانی سے گمراہ کر لیتے ہیں لیکن پھول باغ میں آج تک دشمنی پھیلانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔"

"انسانی آبادیوں میں جگہ جگہ جھگڑے فساد، جگہ جگہ جنگ کی آگ ہماری فتح کا نشان ہیں۔" ایک مٹکے کی طرح پیٹ والے شیطان نے کہا۔

"بچے جب سو کر اٹھنے والے ہوتے ہیں تو میں ان کے کان میں جا کر کہتا ہوں کہ وہ آنکھیں نہ کھولیں اور اسکول نہ جانے کے ان کو نئے نئے بہانے بتاتا ہوں۔" بل کھاتی ہوئی ٹانگوں والے شیطان نے کہا۔

"دوستو! میں نے بڑے بڑے نیک لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ پھول باغ کو ویران کرنے کا کام آپ میرے سپرد کر دیں۔" نکیلی ٹوپی پہنے ہوئے ایک شیطان نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

اگلے دن وہ شیطان پھول باغ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جنگل میں سے گزرتے ہوئے اس کی ملاقات گیدڑ جھگڑالو سے ہوئی۔ گیدڑ نے کہا،

"شیطان بھائی! آپ یقیناً پھول باغ کی طرف جا رہے ہیں۔ میرا نام گیدڑ جھگڑالو ہے۔ مجھے بھی پھول باغ میں رہنے والوں کی زندگی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔"

اور گیدڑ جھگڑالو بھی شیطان کے ساتھ ہو گیا پھول باغ میں داخل ہوتے ہی شیطان نے ایک خوب صورت ہرن کا بھیس بدل لیا۔ گیدڑ جھگڑالو گلاب کے قریب گیا اور دانت نکال کر کہا،

"پھولوں کے سردار کیسے مزاج ہیں؟"

"گیدڑ میاں! بس آپ کی دعائیں ہیں۔" گلاب نے جواب دیا۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے گیدڑ

جھگڑالو مطلب کی بات پر آیا،

"گلاب میاں! مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ پھول باغ کا حسن تمھارے دم سے ہے۔ خوشبو تمہاری بے مثال ہے۔ پھر بھی کالی کلوٹی کوئل کہتی ہے کہ اس کے سامنے تمہاری کوئی حقیقت نہیں۔ وہ کہتی ہے کہ اس کی آواز میں جادو ہے۔"

"مجھے کوئل سے ایسی امید نہ تھی۔ میں نے آج تک اُس کے رنگ کی طرف اُنگلی نہیں اُٹھائی"۔ گلاب نے غصّے سے کہا۔

گلاب کے دل میں نفرت کی چنگاری ڈال کر شیطان اور گیدڑ جھگڑا لو خرگوش کی طرف گئے۔ شیطان جو ہرن کے بھیس میں تھا خرگوش سے کہنے لگا،

"بھائی خرگوش! پھول باغ کا سارا حسن تو آپ کے دم سے ہے۔ آپ کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے چاند کا ٹکڑا زمین پر اتر آیا ہے۔ آپ ہمیشہ دوسروں کی تعریف کرتے ہیں پھر بھی نہ جانے کیوں گلاب آپ کی بُرائی کر رہا تھا۔ گلاب کہہ رہا تھا کہ گندے کیڑے کھانے والے خرگوش کا رنگ اُو پر سے سفید ہے لیکن دِل کالا ہے۔"

خرگوش نے غصّہ سے مٹر کی پھلی پھینکتے ہوئے کہا،

"کیا کہا میرا دِل کالا ہے! گلاب کو اپنے حسن پر اتنا غرور! بہرحال میں گلاب کو اس کے غرور کا مزہ ضرور چکھاؤں گا۔"

خرگوش کے دِل میں نفرت پیدا کرنے کے بعد شیطان اور گیدڑ جھگڑا لو شیشم کے درخت پر بیٹھے ہُدہُد بڑھئی کے پاس گئے۔ شیطان کے پاس تو گُمراہ کرنے کے بہت سے ہتھیار ہوتے ہیں۔ کسی کے دِل میں وہ حسد اور نفرت پیدا کر کے بہکاتا ہے، کسی کو لالچ دے کر، کسی کو غصّہ دلا کر، کیوں کہ شیطان سمجھتا ہے کہ غصّے میں انسان کی سوچنے اور سمجھنے کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ شیطان نے ہُدہُد سے کہا،

"تمہارے سر کا تاج تمہارے شاہی خاندان کی نشانی ہے۔ پھر بھی پھول باغ کے دوسرے پرندے اور پھول تمھاری چونچ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ خرگوش اور گلاب کہتے ہیں کہ اُنہوں نے رحم کھا کر تمہیں پھول باغ میں جگہ دے دی ہے۔"

ہُدہُد نے غصّے سے کہا،

"کیا کہا خرگوش کے بچّے نے؟ میں چونچ مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دوں گا۔"

اِس طرح نفرت کی آگ پھیلا کر شیطان اور گیدڑ جھگڑا لو ایک جھاڑی کے پیچھے تماشا دیکھنے کے لیے چھُپ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پھول باغ کی رونق کم ہونے لگی۔ خرگوش مڑ کے کھیت کے قریب ڈنڈا لے کر کھڑا ہو گیا اور گلاب اور کوئل کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ بندر جامن کے درخت پر چڑھ کر خود جامن کھاتا رہا۔ گلاب کے پاس جب شہد کی مکھیاں آئیں تو گلاب نے اپنی گردن کانٹوں میں چھپالی۔ کوئل نے کُوکنا بند کر دیا۔ پھول باغ میں چاروں طرف اُداسی پھیل گئی۔ شیطان اور گیدڑ جھگڑا لو یہ منظر دیکھ کر بے حد خوش تھے۔

اتوار کی صبح کو جب ننھے فیصل اپنے دوستوں کے ساتھ پکنک پر آئے تو چاروں طرف پھیلی خاموشی اور

اداسی دیکھ کر فیصل نے تیتر سے کہا۔

"تیتر میاں! آج آپ اکیلے کیسے بیٹھے ہیں۔ آپ کی دوست بی فاختہ کہاں ہیں؟"

"فیصل بھائی! آپ اس کا نام نہ لیں مجھے اس سے نفرت ہے۔ مجھے کل گیدڑ نے بتایا کہ میرے انڈے اُنہوں نے ہی چرائے تھے۔" تیتر نے غصّے سے جواب دیا۔

ننھا فیصل لنگور کے پاس گیا جو اپنی ٹوپی سی رہا تھا۔ فیصل نے اُس سے پوچھا۔

"میاں لنگور! آج اتنے اچھے موسم میں آپ خاموش کیوں بیٹھے ہیں؟ آؤ خرگوش کے ساتھ کوڑا جمال شاہی کھیلیں۔"

"نا بابا! مجھے گیدڑ نے بتایا ہے کہ خرگوش کہتا ہے کہ میں اندھیرے میں اپنے چہرے پر موم بتی لگا کر چلا کروں تاکہ کسی سے ٹکر نہ ہو۔ وہ میری شکل کا مذاق اڑاتا ہے۔" لنگور نے غصّے سے جواب دیا۔

ننھا فیصل سمجھ گیا کہ یہ شیطان کی شرارت ہے۔ فیصل تمام پرندوں، پھولوں اور جانوروں کے پاس گیا اور سمجھایا کہ سُنی سُنائی بات پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ شیطان پھول باغ کے دوستانہ ماحول سے جلتا ہے، اسی لئے اس نے سب کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا ہے۔

"فیصل میاں ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ گیدڑ جھگڑالو کے ساتھ جو ہرن تھا اس کی ٹانگیں بل کھائی ہوئی تھیں۔ یقیناً شیطان ہرن کا بھیس بدل کر آیا تھا۔" چیل نے کہا۔

پرندوں نے نیل کنٹھ کو اپنا سفیر بنا کر پھولوں کے پاس بھیجا اور غلط فہمی پر شرمندگی ظاہر کرتے ہوئے پیغام بھیجوایا کہ ان کو پھول باغ کی یہ اداسی بالکل نہیں بھاتی اور اب وہ کبھی کسی کے بہکانے میں نہیں آئیں گے۔ پھولوں کے پاس جب پرندوں کا یہ پیغام پہنچا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور ہمیشہ متحد رہنے کا عہد کیا۔ لیکن پھولوں کے ساتھ یہ مسئلہ تھا کہ وہ خود اُڑ کر پرندوں کے پاس نہیں جا سکتے تھے، اس لیے انہوں نے بھونرے کو اپنا سفیر بنا کر پرندوں کے پاس بھیجا۔ بھونرا جب پرندوں کے پاس پہنچا اور بتایا کہ وہ پھولوں کا سفیر بن کر آیا تو شتر مرغ نے کہا،

"بھونرے میاں! آپ خود انصاف کریں آپ پھولوں کے سفیر کس طرح ہو سکتے ہیں۔ پھول رنگین شمعوں کی طرح ہیں اور آپ نیچے سے اوپر تک بلیک آؤٹ ہیں۔"

جب بھونرا پھولوں کے پاس پہنچا اور پرندوں کا اعتراض بتایا تو پھول بہت فکر مند ہوئے۔ اُن کا جیسا

رنگ یا خوشبو تو کسی میں نہ تھی جو اِن کا سفیر بن سکتا۔

ننھا فیصل پھولوں کی پریشانی سمجھ گیا۔ اُنہوں نے گلاب کے کان میں ایک ترکیب بتائی۔ گلاب یہ ترکیب سُن کر خوشی سے کھِل اُٹھا۔ پھولوں نے اِس ترکیب کے مطابق شہد کی مکھیوں کو بُلایا اور اپنی دو دو پتّیاں ان کے کاندھوں پر چپکا دیں۔ گلاب، چنبیلی، گیندا، لالہ، گُل داؤدی اور دوسرے بہت سے پھولوں کی پتّیاں اپنے کندھوں پر چپکائے جب شہد کی مکھیوں کا یہ قافلہ پرندوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے بے حد خوشی سے ان کا خیر مقدم کیا اور عہد کیا کہ اب ہماری دوستی کبھی نہ ٹوٹے گی۔"

پھول باغ میں دوبارہ بہار آگئی۔ ہری ہری گھاس پر خرگوش، بندر، تیتر بچوں کے ساتھ کھیلنے نکل آئے۔ پھولوں کے سفیر پورے باغ میں رنگین ستاروں کی طرح پھیل گئے۔ آج بھی بہار آتے ہی سارے باغ پھولوں کے اِن سفیروں سے بھر جاتے ہیں۔ پھولوں کے اِن سفیروں کو ہم تتلی کہتے ہیں۔

نونہالوں کے خطوط

اکرم جاوید نے پسنی سے دریافت کیا ہے کہ کیا میری بنائی ہوئی تصویریں نونہال مصور میں شائع ہو جائیں گی؟ نونہالوں کی ایک بڑی تعداد اسی قسم کے سوالات کرتی ہے، حالاں کہ ہم تقریباً ہر عنوان کے ساتھ اُن کی اشاعت کے سلسلے میں ہدایات شائع کرتے رہتے ہیں۔

خیرپور میرس کے ایک نونہال نے چند ماہ پہلے پتا نہیں کیوں اپنے ہی قلم سے اپنے انتقال کی اطلاع لکھ بھیجی تھی مگر وہ اب شاید دوبارہ اس دنیا میں لوٹ آئے ہیں، انھوں نے بھی ایسے ہی سوالات کیے ہیں۔ ہم مضامین کی نوعیت، تصاویر کی سیاہی سائز وغیرہ کے بارے میں وقتاً فوقتاً تفصیل سے ہدایات اور معلومات شائع کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس قسم کے سوالات کی بوچھاڑ جاری رہتی ہے۔ اور یوں نونہال خود ہی اپنے اس دعوے کی کہ وہ ایک ایک لفظ پڑھتے ہیں تردید کر رہے ہیں۔ ایسے نونہالوں سے ہم یہی کہیں گے کہ رسالہ توجہ سے پڑھیں اور جو کچھ بھیجنا چاہتے ہوں ضرور بھیجیں پسند آنے پر ضرور شائع کر دیا جائے گا۔

وائرلیس کا مُوجد۔ مارکونی

علی ناصر زیدی

نئی ایجادوں میں جتنی شہرت اور مقبولیت ریڈیو کو حاصل ہوئی شاید ہی کسی دوسری ایجاد کو ہوئی ہو۔ ٹرانزسٹر نے تو اس ایجاد کو گاؤں گاؤں پہنچا دیا۔ اب تو کھیتوں میں کام کرنے والے کسان بھی چھوٹے ٹرانزسٹر اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور نغموں سے دل بہلاتے ہیں۔ اس طرح کام بھی زیادہ ہوتا ہے۔ آج ہم اُس سائنس دان کی کہانی آپ کو سُناتے ہیں جس کی کوششوں کی بدولت یہ سب کچھ ممکن ہوا۔

ریڈیو اور وائرلیس (WIRELESS) کی دوسری ایجادیں ان قدرتی لہروں کی بدولت ممکن ہوئیں جنھیں ۱۸۶۵ء میں جیمس کلارک میکسویل نامی سائنس دان نے دریافت کیا تھا۔ انھیں وائرلیس لہریں کہتے ہیں اور ان کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہوتی ہے۔ ان لہروں نے انسان کی بہت مدد کی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تار برقی اور ٹیلے فون بڑی مفید ایجادیں ہیں، لیکن ان میں تاروں کا جھگڑا ہے۔ تاروں کا جال پھیلانے اور ان کو درست رکھنے پر بہت سا روپیہ صرف ہوتا ہے۔ شاید آپ سمجھتے ہوں گے کہ وائرلیس سے ہم صرف ریڈیو اور ٹیلے وژن چلاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

وائرلیس پیغام رسانی کا نہایت اہم ذریعہ ہے۔ مارکونی نے سب سے پہلے وائرلیس لہروں کو پیغام رسانی کے لیے ہی استعمال کیا تھا۔

گگ لیمو مارکونی اٹلی کے ایک شہر ڈلونا میں ۲۵ اپریل ۱۸۷۴ء کو پیدا ہوا۔ اس کا باپ اٹلی کا اور ماں آئرلینڈ کی رہنے والی تھی۔ وہ ایک مال دار گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اس لیے اس کی تعلیم اچھی طرح ہوئی۔ اسے شروع سے بجلی کے تجربے کرنے کا شوق تھا۔ جب وہ پندرہ سال کا ہوا تو اس نے وائرلیس لہروں کا ذکر سنا تو اسے ان پر تجربہ کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو چیز بڑے بڑے سائنس دانوں کی سمجھ میں نہیں آئی تھی وہ اس نوجوان سائنس دان نے بھانپ لی اور ۱۸۹۱ء میں تجربات شروع کر دیے۔

مارکونی کی تجربہ گاہ میں عجیب و غریب ساز و سامان لگا ہوا تھا۔ کچھ لمبے بے ڈھنگے کھمبے جن پر ٹین کے ڈبوں کی لوٹیاں جیسی چڑھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے تار نکل نکل کر تجربہ گاہ میں اِدھر اُدھر بندھے ہوئے تھے۔ جو لوگ انھیں دیکھتے کچھ سمجھ نہ پاتے، لیکن مارکونی خوش اور مطمئن نظر آتا تھا۔ اس نے پرانے سائنس دانوں کی بنائی ہوئی چیزوں کو ترقی دی۔ ایریل لگایا اور دوسرے تار کو زمین میں دبا دیا، یعنی ارتھ کر دیا۔ اس طرح وائرلیس کے ذریعے پیغامات بھیجنے کا پہلا سلسلہ قایم ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں مارکونی نے دو میل تک پیغامات بھیجنے میں کامیابی حاصل کر لی۔

اسی سال مارکونی اپنا ساز و سامان انگلستان اٹھا لایا اور محکمۂ تار و برقی کے سب سے بڑے انجنیئر سے ملا۔ اُس نے لندن کی جنرل پوسٹ آفس کی چھت سے وائرلیس کا پہلا عملی تجربہ دکھایا اور تقریباً دس میل کے فاصلے تک پیغامات بھیجنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ حکومت اٹلی کو جب اس کامیابی کی خبر ہوئی تو اُس نے اپنے نوجوان موجد کو وطن آنے کی دعوت دی۔ چناں چہ مارکونی نے اٹلی میں ایک وائرلیس اسٹیشن قایم کیا جہاں سے بارہ میل دور جنگی جہازوں کو وائرلیس کے ذریعے پیغامات بھیجے گئے۔ رفتہ رفتہ یہ فاصلہ بڑھتا رہا اور لوگوں نے اس نئی ایجاد کی اہمیت اور فائدوں کو محسوس کرنا شروع کر دیا۔

۱۸۹۷ء میں مارکونی نے اٹلی کے بادشاہ اور ملکہ کے سامنے اپنے تجربات کی نمائش کی۔ اسی سال سے وائرلیس ٹیلے گرافی کو کاروبار اور تجارت میں بھی استعمال کیا جانے لگا۔ تین سال بعد مارکونی نے وائرلیس ٹیلے گراف کمپنی قایم کی اور کئی مقامات پر وائرلیس اسٹیشن قایم کیے گئے۔ ۱۸۹۸ء میں پہلی مرتبہ

وائرلیس کے ذریعے رُود بارِ انگلستان کے پار پیغامات بھیجے گئے۔ زیادہ اونچے ایریل اور زیادہ لمبی لہریں استعمال کرنے سے یہ فاصلہ برابر بڑھتا رہا۔ انگلش چینل کو فتح کرنے کے بعد مارکونی نے بحراوقیانوس کی طرف توجّہ دی۔

سائنس کی تاریخ کا یہ ایک اہم واقعہ ہے کہ اکتوبر ۱۹۰۰ء میں مارکونی نے کارنوال کے مقام پولدھو پر ایک بڑا وائرلیس اسٹیشن قایم کرنا شروع کیا۔ یہاں اس نے ۲۰۰ فیٹ اونچے کھمبے گاڑے لیکن وہ آندھی سے گر پڑے۔ دوسری مرتبہ ۱۷۰ فیٹ اونچے کھمبے گاڑے گئے اور اُن کی مدد سے نیو فاؤنڈلینڈ تک وائرلیس پیغامات بھیجے گئے۔ مارکونی نے بڑی مشکل سے چار سو فیٹ اونچے کھمبے کھڑے کئے اور پیغامات کو موصول کرنے کا انتظام کیا۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۱ء کو پہلی مرتبہ بحراوقیانوس کو وائرلیس لہروں کے ذریعے پار کیا گیا۔

اِن تجربات کے بعد وائرلیس ٹیلے گرافی تجرباتی دَور سے نکل کر انسان کی خدمت کے لیے استعمال ہونے لگی۔ کچھ عرصے بعد فلیمنگ نے والو (VALVE) ایجاد کر لیا جو ریڈیو سیٹ کی جان ہوتا ہے اور جس کی جگہ اب ٹرانزسٹر لے رہا ہے۔ اس ایجاد کے بعد وائرلیس ٹیلے گرافی نے بڑی تیزی سے ترقی کی۔ اُدھر مارکونی اپنی تحقیقات میں برابر مصروف تھا۔ ۱۹۱۰ء میں اس نے چھے ہزار میل کے فاصلے پر ایک پیغام موصول کیا۔ ستمبر ۱۹۱۸ء میں اُس نے آسٹریلیا تک پہلا وائرلیس سگنل بھیجا۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم چھڑ گئی اور مارکونی نے اپنی ایجاد کو فوجی خدمات کی طرف موڑ دیا۔ ۱۹۱۶ء میں اس نے نہایت مختصر لہروں پر تجربات شروع کیے تاکہ وائرلیس لہریں کسی ایک خطّے کی طرف پوری قوت کے ساتھ بھیجی جا سکیں۔ اُسی سال وہ لہریں بھی دریافت ہوئیں جنھیں اب ہم "شورٹ ویو" (SHORT WAVE) کہتے ہیں۔ مارکونی نے اپنے وطن کی خدمت کے خیال سے اٹلی کی بحری اور برّی دونوں فوجوں میں اہم کام انجام دیے۔

۱۹۱۹ء میں مارکونی کی کمپنی نے چمسفورڈ میں دُنیا کا پہلا براڈ کاسٹنگ اسٹیشن قایم کیا، یعنی ریڈیو پولدھو سے شوارٹ ویو پر تجربے کی غرض سے متواتر طور پر پیغامات بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں مارکونی ایک بحری جہاز پر جزائرِ غرب الہند کو روانہ

ہوا اور پورا راستہ شوارٹ ویو پیغامات موصول کرتا رہا۔

جب یہ تمام تجربات کامیاب ثابت ہوئے تو مارکونی نے اعلان کیا کہ جنوبی امریکا کے ساتھ شوارٹ ویو وائرلیس کا سلسلہ قایم کیا جا سکتا ہے۔ اس نے کسی ایک علاقے کی جانب وائرلیس لہریں بھیجنے کے طریقے پر بھی بہت سا کام کیا اور اسے بہتر بنایا۔

مارکونی کی ان ایجادات سے دُنیا کو بہت سے فائدے ہوئے۔ اب ریڈیو سٹ دنیا بھر میں عام ہو چکے ہیں جن پر ہر طرح کی خبریں، مفید پروگرام اور تفریحی پروگرام سنے جا سکتے ہیں۔ ٹرانزسٹر کی ایجاد کے بعد ریڈیو سٹ کا سائز بھی بہت کم ہو گیا ہے۔

شاید یہ بات آپ کو معلوم نہ ہو کہ ریڈیو کا اس سے زیادہ مفید استعمال بحری اور ہوائی جہازوں میں ہو رہا ہے۔ وائرلیس پیغامات کے ذریعہ سے اب تک ہزاروں جانیں بچائی جا چکی ہیں۔ ہر بحری جہاز پر قانونی طور پر لازم ہے کہ وہ وائرلیس ساز و سامان ساتھ رکھے اگر کسی جہاز کو کوئی حادثہ پیش آنے والا ہوتا ہے تو وہ وائرلیس کے ذریعہ سے پیغامات اور اپیلیں نشر کرتا ہے۔ آس پاس کے جہاز یہ پیغام سُن کر فوراً اس کی مدد کو دوڑتے ہیں۔

ہوائی جہازوں پر تو وائرلیس اور بھی ضروری ہے، کیوں کہ وہ راستہ تلاش کرنے میں بھی ان سے مدد لیتے ہیں۔ کسی ہوائی اڈے پر اُترنے سے پہلے ہوا باز وائرلیس کے ذریعہ سے ہی اس اڈے سے رابطہ قایم کرتا ہے اور وہاں اُترنے کی اجازت لیتا ہے۔ اگر ہوائی جہاز کے انجن میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو ریڈیو انجنیئر وائرلیس کے ذریعے سے دوسروں کو اس بات کی اطلاع دیتا ہے۔

جب ریڈیو ٹیلے فون ایجاد ہو گیا تو اور بھی ترقی ہوئی۔ اب پولس کی گاڑیوں اور محکمۂ سُراغ رسانی میں ریڈیو ٹیلے فون عام ہو چکے ہیں۔ ان سے جرائم کی روک تھام اور مجرموں کو پکڑنے میں مدد لی جا رہی ہے۔ اسی طرح فوج میں اس آلے سے بہت مدد لی جا رہی ہے۔ جنگ کے وقت آپس میں بات چیت کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ پہلی مرتبہ ۱۹۲۷ء میں امریکا اور انگلستان کے درمیان ریڈیو ٹیلے فون کا سلسلہ قایم کیا گیا۔ اب یہ سلسلہ دُنیا کے تمام ملکوں میں موجود ہے۔ آپ پاکستان سے دُنیا کے کسی بھی ملک کے ساتھ بات کر سکتے ہیں۔

اب ریڈیو ٹیلے فون کی مدد سے آپ اپنا کاروبار بھی بہتر طور پر چلا سکتے ہیں اور اخباروں کے دفتروں میں ٹیلے پرنٹر کی مدد سے ہی دُنیا بھر کی خبریں موصول کی جاتی ہیں اور اخبار میں چھاپی جاتی ہیں۔

غرض مارکونی نے اپنی محنت سے دُنیا کو ایک ایسی ایجاد دی جس کی ترقی کی کوئی حد نظر نہیں آتی۔ دُنیا نے بھی اس موجد کی بڑی قدر کی۔ اس کے ملک اور قوم نے اسے بہت سے اعزاز بخشے۔ ۱۹۰۹ء میں اسے طبیعیات (فزکس) کا نوبل پرائز ملا جو دُنیا کا سب سے بڑا انعام ہے۔ اسی سال اسے اٹلی کی سینیٹ کا رُکن چنا گیا اور ۱۹۳۷ء میں وہ اس دُنیا سے چل بسا، لیکن اپنے پیچھے بہت بڑا نام اور اپنے لیے بہت بڑی عزت چھوڑ گیا۔ یہ ہے محنت کا ثمر۔

کون سی یونی ورسٹی کب قائم ہوئی؟

پنجاب یونی ورسٹی	اکتوبر ۱۸۸۲ء میں قائم ہوئی	ہندو یونی ورسٹی، بنارس	اپریل ۱۹۱۴ء میں قائم ہوئی
ڈھاکہ یونی ورسٹی	مارچ ۱۹۲۰ء میں قائم ہوئی	میسور یونی ورسٹی	جولائی ۱۹۱۴ء میں قائم ہوئی
سندھ یونی ورسٹی	جنوری ۱۹۴۹ء میں قائم ہوئی	عثمانیہ یونی ورسٹی	اگست ۱۹۱۹ء میں قائم ہوئی
پشاور یونی ورسٹی	مارچ ۱۹۵۰ء میں قائم ہوئی	مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ	دسمبر ۱۹۲۰ء میں قائم ہوئی
کراچی یونی ورسٹی	اپریل ۱۹۵۱ء میں قائم ہوئی	لکھنؤ یونی ورسٹی	دسمبر ۱۹۲۰ء میں قائم ہوئی
کلکتہ یونی ورسٹی	جنوری ۱۸۵۷ء میں قائم ہوئی	دہلی یونی ورسٹی	مئی ۱۹۲۲ء تعمیر کی گئی
بمبئی یونی ورسٹی	جولائی ۱۸۵۷ء میں قائم ہوئی	ناگپور یونی ورسٹی	اگست ۱۹۲۳ء میں قائم ہوئی
الہ آباد یونی ورسٹی	نومبر ۱۸۸۹ء میں قائم ہوئی	ٹراونکور یونی ورسٹی	نومبر ۱۹۳۷ء میں قائم ہوئی
مدراس یونی ورسٹی	ستمبر ۱۸۵۷ء میں قائم ہوئی		

مرسلہ: عبدالشکور، ڈھیری آزاد کشمیر

ایک شخص اپنے پڑوسی سے کہہ رہا تھا! تمھارے لڑکے نے میرے کمرے کی تمام دیواریں پنسل سے خراب کر دیں۔

پڑوسی نے بات کاٹتے ہوئے کہا، "مگر آپ ہی نے تو کہا تھا کہ یہ میرا ڈرائینگ روم ہے۔"

تصویر

تصویر یادگار ہے انسان کے لیے
تصویر شان دار ہے انسان کے لیے

تصویر کھینچتے ہیں بڑے طمطراق سے
تصویر دیکھتے ہیں بڑے اشتیاق سے

تصویر احتیاط سے رکھتا ہے ہر بشر
تصویر کو فریم میں رکھتے ہیں میز پر

تصویر کا رواج زمانے میں عام ہے
تصویر کا ہمارے دلوں میں مقام ہے

تصویر پاس پورٹ میں لگتی ہے لازمی
جس وقت غیر ملک میں جاتا ہے آدمی

اخبار کی ہمیشہ یہ رونق بڑھاتی ہے
مضمون لکھنے والے کی صورت دکھاتی ہے

البم میں لوگ رکھتے ہیں تصویر شان سے
اس کو عزیز جانتے ہیں اپنی جان سے

پھرتے ہیں کیمرے لیے بچے بھی آج کل
فوٹو کھنچانے آتے ہیں بوڑھے بھی آج کل

چھپتی ہے جب رسالے میں تصویر دوستو
اس لمحہ جگمگاتی ہے تقدیر دوستو

(سرور بجنوری)

قسط دوم

مچھلی کا بیٹا

ابرار محسن

"یہ کام تو بڑا مشکل کام ہے۔" ڈولفن نے کہا۔

بہن بے چین ہوگئی، "مگر تم تو میرے بھائی کے منھ بولے باپ ہو۔" وہ کہنے لگی، "تم نے ہر مصیبت میں اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا، آج میرا پیارا بھائی قید خانے کے اندھیروں میں بند پڑا ہے۔ اس پر سخت پہرہ ہے۔ قید خانے کی دیواریں اتنی اونچی اور مضبوط ہیں کہ ان کے اس طرف میری آواز بھی نہیں جا سکتی، کیا تم بھی مدد نہ کرو گے؟"

"یہ تو میں نے نہیں کہا۔" ڈولفن نے سر ہلا کر کہا، "میں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ یہ کام بڑا مشکل ہے۔ میں ضرور مدد کروں گا مگر ایک شرط ہے۔"

"مجھے تمھاری ہر شرط منظور ہے۔" بہن چلائی۔

"تو سنو، ڈولفن نے کہا، "اس کام کے بدلے تمھیں مجھ سے بیاہ کرنا ہوگا۔"

وہ یہ سُن کر چکرا گئی، ایک انسان کا بیاہ مچھلی سے ساتھ کس طرح ممکن تھا، مچھلی کا گھر سمندر کے اندھیرے میں ہے اور انسان خشکی پر روشنی میں رہتا ہے۔ مگر اُسے اپنے بھائی کا خیال آیا جو اُسے دنیا میں سب سے زیادہ پیارا تھا اور اب بادشاہ کا قیدی تھا۔ بھائی کی سلامتی کے لیے اسے یہ قربانی ضرور ہی دینی تھی۔

"کیا تم نے فیصلہ کر لیا؟" ڈولفن نے سوال کیا۔

وہ بولی، "مجھے تمھاری شرط منظور ہے، کیوں کہ تم مچھلی ہو کر بھی اُن انسانوں سے بہتر ہو جن کے دل محبت اور ہمدردی سے خالی ہوتے ہیں۔"

ڈولفن خوشی سے دیوانہ ہوگیا اور بولا "میرا وعدہ ہے تمھیں کبھی کوئی دکھ نہ ہوگا اور تم سمندری دیس میں ہمیشہ خوش رہو گی۔ اچھا اب میری بات ذرا غور سے سنو۔ کل صبح شہزادی کشتی میں سوار ہو کر سمندر کی سیر کو نکلے گی۔ تم ساحل پر اس کی کشتی کے پاس پہلے ہی سے کھڑی رہنا۔ جب شہزادی کشتی میں سوار ہوگی تو تم سے بات چیت ضرور کرے گی۔ اور بس، باقی سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔"

اگلی صبح سویرے ہی وہ ساحل پر پہنچ گئی جہاں خوب صورت شاہی کشتی شہزادی کا انتظار کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد شہزادی موتیوں کا ایک ہار پہنے کشتی کی طرف آتی دکھائی دی۔

"تم کیوں اُداس ہو خوب صورت لڑکی؟" شہزادی نے اسے دیکھ کر سوال کیا۔

"اس لیے کہ میرا بھائی قید خانے میں بند ہے۔" وہ بولی، "اور اس کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ شہزادی سے بیاہ کرنا چاہتا ہے۔"

"تو تم اس نوجوان کی بہن ہو۔" شہزادی نے بڑھ کر اُسے گلے لگا لیا، "دیکھو، میرا باپ فرانس کے بادشاہ سے اب میرا بیاہ کرنا چاہتا ہے، مگر میں نے عہد کر لیا ہے میرا بیاہ تمھارے بہادر بھائی کے ساتھ ہی ہوگا ورنہ میں رو رو کر اپنی جان دے دوں گی، چلو، میرے ساتھ سمندر کی سیر کو چلو۔"

دونوں کشتی میں بیٹھ گئیں اور کشتی موجوں پر پھسلنے لگی۔ دونوں بڑی دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ پھر اچانک شہزادی انگلی اٹھا کر حیرت سے چیخ اٹھی، "وہ دیکھو، شاید مچھلی پر کوئی آدمی سوار ہے اور وہ ہماری ہی طرف آرہا ہے۔"

"گھبراؤ نہیں۔" بہن بولی، "وہ دشمن نہیں ہو سکتا۔"

"مگر مگر۔ وہ ہے کون؟" شہزادی نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

"خود ہی پہچانو۔" بہن نے شرارت سے مسکرا کر کہا۔

"اوہو ہو!" شہزادی خوشی سے اچھل پڑی، "یہ تو تمھارا بھائی ہے۔ ہاں ہاں وہی ہے۔ آج کا دن کتنا پیارا ہے؟"

بھائی جب ان کی کشتی میں آیا تو بہن اُس سے لپٹ گئی۔ شہزادی کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو تیر رہے تھے۔

"میں بہت خوش ہوں کہ تمھیں قید سے رہائی ملی۔" شہزادی نے کہا۔

"شہزادی تم سے بیاہ کرنا چاہتی ہے۔" بہن نے بتایا۔

بھائی خوش ہوگیا اور شہزادی سے کہنے لگا، "مگر میں ایک مچھیرے کا لڑکا ہوں تمھیں محل کا سا عیش و آرام نہ دے سکوں گا۔"

"وہ محل نہیں بلکہ سونے کا پنجرا ہے"۔ شہزادی بولی، "میرا باپ فرانس کے بوڑھے بادشاہ سے میرا بیاہ کرنا چاہتا ہے۔ کاش میں شہزادی ہونے کے بجائے کوئی معمولی مچھیرن ہی ہوتی۔"

"تو کیا تم میرے لیے اپنا سکھ ٹھکرانے کو تیار ہو؟" لڑکے نے سوال کیا۔

وہ بولی، "ہاں! میں اب اُس محل میں واپس نہیں جانا چاہتی جہاں ہر چیز سونے چاندی میں تولی جاتی ہے، بلکہ ایسی جگہ جانا چاہتی ہو جہاں آزادی اور سکھ ہو۔"

دُور ڈولفن کا سر پانی سے باہر آرہا تھا۔ اچانک

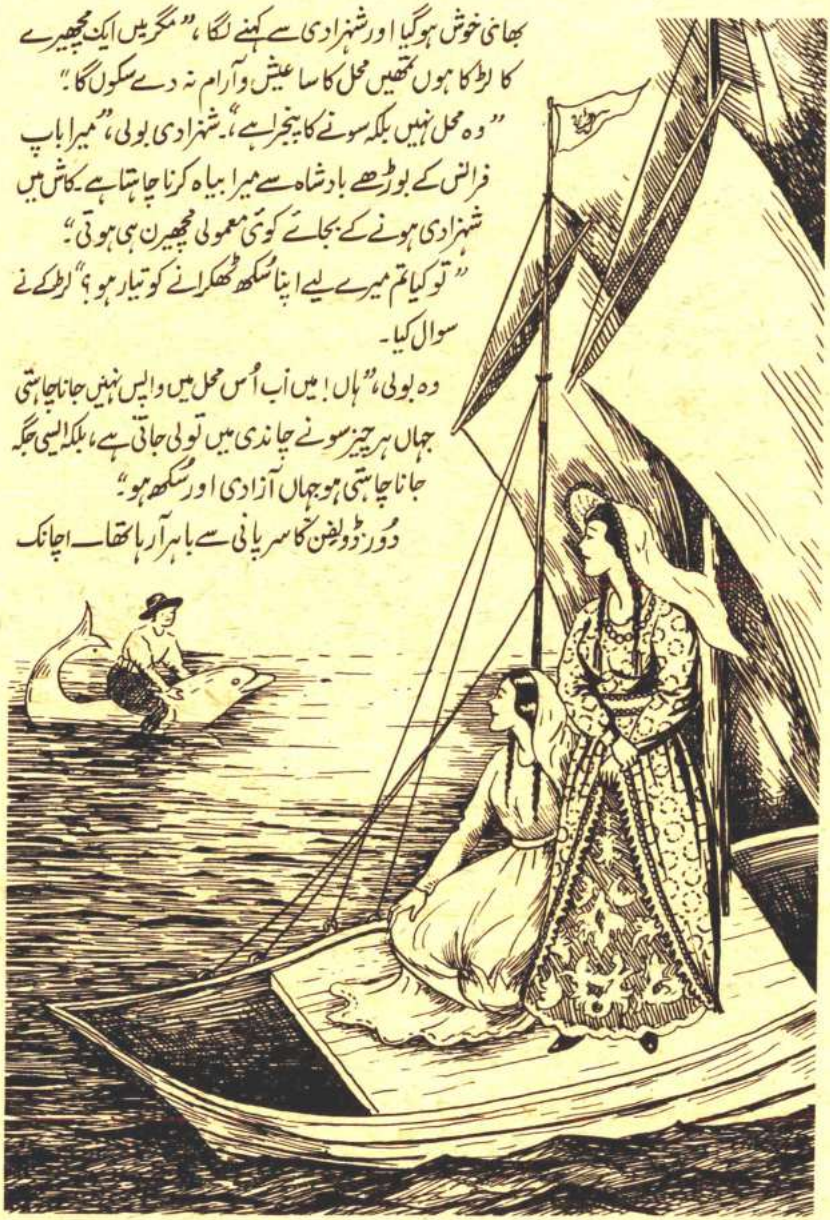

اُس نے ڈبکی لگائی اور تیز ہوا چلنے لگی، کشتی ساحل سے دُور، بہت دُور کسی انجانی منزل کی طرف چلی جارہی تھی۔ شہزادی اور دونوں بھائی بہن خوش تھے۔

تمام دن سفر بعد کشتی ایک جزیرے سے جا لگی جہاں ناریل کے درختوں کے جھنڈ تھے اور یہیں مچھیروں کے جھونپڑے تھے۔

"ہم یہیں جھونپڑی بنا کر زندگی بتائیں گے۔" شہزادی نے لڑکی سے کہا۔

دونوں کشتی سے اتر کر ساحل پر آ گئے مگر بہن نہ اُتری۔

"تم کیوں نہیں آتیں بہن؟" بھائی نے پوچھا۔

وہ بولی، "میں نے ڈولفن سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ تمھاری مدد کرے تو میں اس سے بیاہ کروں گی۔ ڈولفن نے اپنا وعدہ پورا کیا اب مجھے اپنا وعدہ پورا کرنا ہے، میں جارہی ہوں، مگر ہاں جب بھی تمھیں ہماری ضرورت ہو، ساحل پر کھڑے ہو کر ہمیں آواز دے دینا

ڈولفن کشتی کے پاس ہی تھا۔ بہن نے سمندر میں چھلانگ لگائی۔ ڈولفن نے فوراً ہی اُسے اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا اور وہ ساحل سے دُور ہوتے گئے۔ بہت دُور۔ بہت دیر بعد وہ ایک سمندری غار میں داخل ہوئے۔ ڈولفن نے اسے اُچھالا۔ اس کا سر دھیرے سے غار کی چھت سے ٹکرایا اور جب وہ نیچے پانی میں گری تو ایک نہایت خوب صورت ڈولفن بن چکی تھی۔

"اِس غار کے اُدھر میرا سمندری دیس ہے جس پر میرا راج ہے۔" ڈولفن نے اپنی دُلھن سے کہا۔

دونوں تیزی سے غار کے اندھیرے پانی میں تیرتے رہے۔ آخر وہ پانی کے ایک پھاٹک سے گزر کر سمندری دیس میں داخل ہوئے۔ بڑا ہی خوب صورت تھا وہ دیس جہاں ہر وقت ہلکی نیلی روشنی پھیلی رہتی۔ وہاں مونگے کی سڑکوں کے دونوں طرف موتیوں کے مکان تھے ان مکانوں کے آس پاس سمندری باغ تھے۔ ہر طرف بڑی چہل پہل تھی۔ ڈولفن کا محل سب سے زیادہ خوب صورت تھا اور ستاروں کی طرح جگمگا رہا تھا۔ محل کے سامنے تلوار کے شکل کے منھ والی مچھلیاں پہرہ دے رہی تھیں۔ ہر طرف شور سُنائی دینے لگا، ہمارا بادشاہ ملکہ کو بیاہ کر لایا ہے۔ ہر طرف چراغاں کر دو۔"

سمندری دیس میں ایک انوکھی بہار آ گئی تھی۔ ڈولفن نے دُلھن کو اپنے پاس تخت پر بٹھاتے ہوئے کہا، "اب تم اِس دیس کی ملکہ ہو اور اس دیس میں سُکھ ہی سُکھ ہے، سکون ہی سکون ہے۔ یہاں

کسی کو بھی کوئی غم نہیں ہوتا اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرتا ہے۔

دربار میں رنگ برنگی مچھلیاں دیر تک ناچتی رہیں اور جل ترنگ بجتے رہے۔ اس کے بعد جل پریاں مختلف ساز لیے گیت سنانے آئیں۔ وہ گیت جو ملاح چاندنی راتوں میں سمندر میں سنا کرتے ہیں اور جل پریوں کو دیکھ کر سمندر میں چھلانگ لگا دیتے ہیں۔

"میرا دیس بہت خوب صورت ہے مگر تم اس سے بھی زیادہ خوب صورت ہو" ڈولفن نے اپنی دُلھن سے کہا۔

"اور میں نے تو کبھی اتنا خوب صورت خواب بھی نہیں دیکھا تھا" وہ کہہ اُٹھی۔

جتنا خوش ڈولفن اور اس کی دولھن تھی اتنا ہی خوش مچھیرے کا لڑکا اور شہزادی بھی تھی۔ انھوں نے ساحل کے نزدیک ایک چٹان پر چھوٹی سی جھونپڑی بنالی تھی۔ لڑکا صبح سویرے ہی جال کشتی میں رکھ کر مچھلیاں پکڑنے سمندر میں نکل جاتا اور شہزادی ناریل کی چٹائیاں بنتی رہتی شام کے وقت وہ ساحل پر کھڑی ہو جاتی اور اس کی کشتی کو آتے دیکھ کر زور زور سے ہاتھ ہلاتی جال ہر روز ہی مچھلیوں سے بھرا ہوتا، ہر روز یہی ہوتا تھا۔ ان کی زندگی سادہ تھی مگر سکھ اور پیار سے بھرپور، شہزادی کے لیے وہ جھونپڑی اور اُس کا سکھ محل کے آرام سے بہتر تھا۔

وہ چاندنی راتوں میں وہ ساحل کی ٹھنڈی ریت پر ٹہلتے رہتے۔ دوسرے مچھیرے اکثر تعجب سے سوچا کرتے، نہ جانے کون ہے یہ لڑکا؟ کہاں سے آیا ہے؟ اس کی بیوی شہزادی کی طرح خوب صورت ہے۔ اِس کا جال ہمیشہ بھرا ہوتا ہے۔ دوسری مچھیرنیں شہزادی کا روپ دیکھ دیکھ کر جلا کرتیں۔ اُدھر بادشاہ مارے غصّے کے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اس نے ہر طرف اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے کہ پتا لگائیں کہ شہزادی کہاں چلی گئی۔ وہ جانتا تھا کہ شہزادی جان بوجھ کر کہیں چھُپ گئی ہے اور وہ اُسے سخت سزا دینی چاہتا تھا۔ بہت دنوں تک شہزادی کا سُراغ نہ مِلا۔ آخر ایک روز جاسوس اس جزیرے پر بھی پہنچ گئے اور مچھیرنوں سے سوالات کرنے لگے۔

اُنھوں نے مچھیرنوں سے بڑی چالاکی سے پوچھا، "کیا تم نے اس جزیرے پر کسی شہزادی کو دیکھا ہے؟"

مچھیرنیں ہنس کر بولیں، "ہم سب اپنی نظر میں شہزادیاں ہیں، تمھیں کس شہزادی کی تلاش ہے؟"

"سچ مچ کی شہزادی کی" وہ بولے۔

"مچھیروں کی اُس بستی میں سچ مچ کی شہزادی کہاں ؟" انھوں نے بتایا۔
"کیا یہاں تمھارے علاوہ کوئی اور بھی رہتا ہے ؟" جاسوسوں نے سوال کیا۔
مچھیرنیں کہنے لگیں، "ہاں، ایک نیا مچھیرا آیا ہے مگر اُس کی مچھیرن شہزادی جیسی لگتی ہے۔"
"کون ہے وہ ؟"
"ہمیں نہیں معلوم، وہ دونوں ساحل پر جھونپڑی میں رہتے ہیں۔"
جاسوسوں کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی شہزادی ہو گی۔ اگلی صبح لڑکا جب کشتی لے کر چلا گیا تو وہی جاسوس سوداگروں کے بھیس میں اس جھونپڑی پر پہنچے اور شہزادی کو پہچان لیا۔
"کون ہو تم ؟" شہزادی نے پوچھا۔
"ہم سمندر پار کے سوداگر ہیں اور دُنیا کی انوکھی چیزوں کی تجارت کرتے ہیں۔ ہمارے پاس سمور کے لبادے ہیں۔ عرب کے عِطر ہیں، سمندر کے سچے موتی ہیں، کیا تم انھیں خریدو گی ؟"
"ہاں دکھاؤ یہ چیزیں۔" شہزادی نے خوش ہو کر کہا۔
"یہ تمام چیزیں ہمارے جہاز پر ہیں جو ساحل پر کھڑا ہے، کیا تم تھوڑی دیر کے لیے جہاز پر آ سکتی ہو ؟" جاسوسوں نے مکاری سے کہا، "ہماری پاس اور بہت سی ایسی ایسی چیزیں ہیں جنھیں دیکھ کر تم حیران رہ جاؤ گی۔"
بھولی شہزادی کو ذرا بھی شک نہیں ہوا اور وہ ان کے ساتھ جہاز کی طرف چل پڑی۔ جیسے ہی اُس نے جہاز پر قدم رکھا جہاز کا لنگر اُٹھا کر بادبان کھول دیے گئے اور ساحل دور ہوتا گیا...
شہزادی چلّائی، کہاں لے جا رہے ہو مجھے ؟ کون ہو تم ؟"
"ہم جاسوس ہیں اور تمھیں بادشاہ کے پاس لے جا رہے ہیں۔" انھوں نے سچّی بات بتا دی۔
"میں بادشاہ کے پاس نہیں جانا چاہتی، مجھے میری جھونپڑی میں لے چلو۔" وہ کہتی رہی اور جہاز اسپین کی طرف بڑھتا رہا۔
بادشاہ اسے دیکھ کر گرجا، "تجھے یہاں سے جانے کی ہمّت کیسے ہوئی ؟"
"مجھے واپس بھیج دو مچھیرے کے پاس۔" شہزادی بار بار یہی دُہرا رہی تھی۔
"کیا مچھیرے کی گندی جھونپڑی محل سے زیادہ آرام دہ ہے ؟" بادشاہ نے پوچھا۔
"ہاں، میرے لیے وہ جھونپڑی محل سے بھی زیادہ پیاری ہے۔" وہ بہادری سے بولی۔

بادشاہ نے غصّے سے کانپتے ہوئے کہا، "آج سے تو محل سے باہر قدم نہیں نکال سکتی، تیرا بیاہ فرانس کے بادشاہ سے ہوگا۔

"میں نہیں مانوں گی۔" وہ بے بسی سے چلّائی۔

"بادشاہ صرف حکم دینا جانتے ہیں۔" بادشاہ نے جواب دیا۔

شہزادی محل میں قید کر دی گئی۔ ایک کھڑکی سے وہ سمندر کی طرف دیکھتی رہتی جس کی موجیں اس کے دل کی طرح بے چین تھیں۔ وہ روتی رہتی مگر اُس کے آنسو اُس کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ اب یہ دیکھیں کہ لڑکے پر کیا بیتی۔ جب وہ شام کو واپس آیا

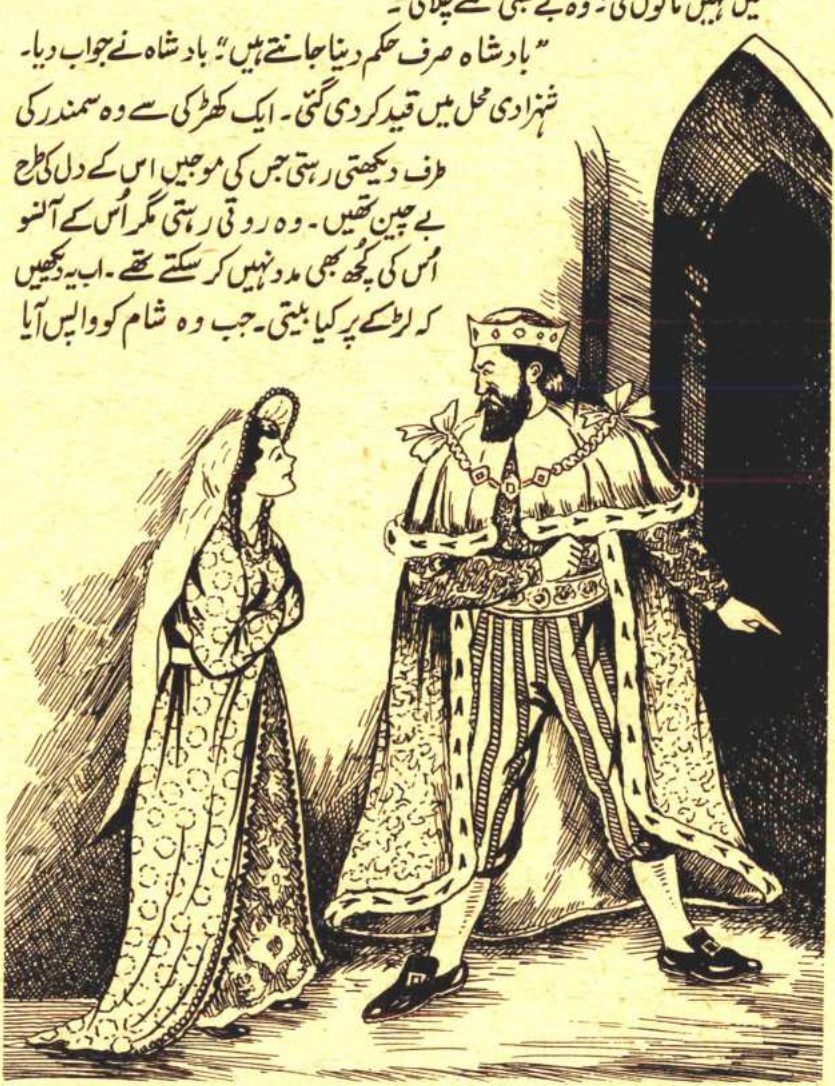

تو جھونپڑی خالی تھی۔ اس نے شہزادی کو آوازیں دیں مگر کوئی جواب نہ ملا۔ وہ بہت پریشان ہوا۔ آخر مچھیروں نے اسے بتایا کہ کس طرح کچھ سوداگر اسے جہاز میں بٹھا کر لے گئے۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ سوداگر نہیں بلکہ بادشاہ کے آدمی ہوں گے۔

وہ ساحل پر بیٹھ کر آنسو بہانے لگا۔ شہزادی کے جانے کے بعد اس کی دُنیا سُونی ہوگئی تھی۔ وہ اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس مصیبت میں اُس نے اپنے منھ بولے باپ کو آواز دی۔ ڈولفن نے سمندری دیس میں اس کی آواز سُنی اور اپنی دُلھن سے کہا، "تمھارے بھائی پر کوئی مُصیبت پڑی ہے، چلو دیکھیں۔"

دونوں تیرتے ہوئے سمندری غار تک پہنچے۔ وہاں پہنچ کر ڈولفن نے ملکہ کو اُچھالا اور وہ پھر ایک لڑکی بن گئی۔ اس کی خوب صورتی پہلے سے بھی کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ دونوں تیرتے ہوئے غار سے باہر آگئے اور ساحل تک آ پہنچے۔ بہن بھائی سے لپٹ گئی "کیا دکھ ہے تمھیں؟" لڑکے نے ساری رام کہانی سُنا دی۔

ڈولفن نے بھی یہ کہانی سنی اور کہا، "شہزادی کو واپس لانے کے لیے تمھاری بہن کو محل جانا پڑے گا۔ میں اسے بتا دوں گا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے؟"

وہ بولی، "ہاں ہاں! میں اپنے بھائی کی خوشی کے لیے وہاں ضرور جاؤں گی۔"

ڈولفن نے اسے ساری بات بتا دی اور وہ اسپین کے ساحل پر اُتری۔ ہر طرف یہ خبر پھیل گئی کہ اسپین کے ساحل پر ایک لڑکی اُتری ہے جس کا رُوپ جل پری جیسا ہے۔ بادشاہ تک بھی یہ خبر پہنچی تو وہ بھی ساحل تک چلا آیا۔ وہ وہاں ریت پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے لمبے لمبے بال کاندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ "کون ہو تم؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"میں سمندر کے بادشاہ کی بیٹی ہوں۔ میرے باپ کی حکومت ساری دنیا میں موجیں مارتے ہوئے سمندر پر ہے۔ تمھارے ملک میں سیر کرنے آئی ہوں۔" کہتے کہتے وہ مسکرائی تو اس کے موتی جیسے دانت جھلملانے لگے اور اُس کے گہرے سمندر جیسی نیلی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

"تم میری مہمان بن کر میرے محل میں رہو۔ جب تک جی چاہے۔" بادشاہ نے التجا کی اور وہ مان گئی۔

محل میں اس کی ملاقات شہزادی سے ہوئی جس کی آنکھیں روتے روتے سُوج گئی تھیں۔ وہ

بدلے ہوئے روپ کی وجہ سے وہ اپنے شوہر کی بہن کو پہچان نہ سکی مگر جب اُسے ساری بات معلوم ہوئی تو وہ خوشی سے کھِل اُٹھی۔ دونوں پیار سے رہنے لگیں۔

ایک دن بادشاہ نے جُھک کر کہا، "اے سمندر کی شہزادی! میں تمھیں اپنی ملکہ بنانا چاہتا ہوں، میرا سارا دھن دولت تمھارا ہے۔ کیا تم کو میری یہ درخواست قبول ہے؟"

وہ شرما کر بولی، "اس کے لیے تمھیں میرے باپ سے بات کرنی ہوگی۔"

"مگر تمھارے باپ سے کیسے بات کروں؟" بادشاہ نے کہا، "کہاں جاؤں اس سے ملنے؟"

"تمھیں جانے کی ضرورت نہیں، شہزادی کو میرے ساتھ بھیج دو۔"

بادشاہ خوشی سے راضی ہوگیا اور اگلے دن دونوں کشتیوں میں بیٹھ گئیں۔ بادشاہ ساحل پر کھڑا کشتی کو دور ہوتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کشتی جزیرے کے ساحل سے جا لگی۔ بہن نے بھائی سے کہا، "یہ لو، تمھاری دلھن آگئی ہے۔"

بھائی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ کچھ دن بعد بادشاہ کو سمندر کے بادشاہ کا خط ملا جس میں لکھا تھا کہ اُسے یہ رشتہ منظور ہے اور وہ بیاہ کے لیے اپنے جہاز میں بیٹھ کر آجائے۔ بادشاہ خوش خوش ساز و سامان لے کر شاہی جہاز میں آبیٹھا۔ جہاز روانہ ہوگیا۔ اچانک آسمان پر سیاہ بادل چھانے لگے اور تیز ہوا چلنے لگی۔

ملاحوں نے بادشاہ سے کہا، "طوفان آنے والا ہے کیا جہاز کو ساحل کی طرف لوٹائیں؟"

"آگے بڑھتے رہو۔" بادشاہ نے حکم دیا۔

طوفان آگیا۔ پہاڑوں جیسی موجیں جہاز کو اُلٹنے لگیں۔ ہر طرف گھُپ اندھیرا تھا اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔

"جہاز ڈوب جائے گا۔" ملاح چلّائے۔ "اب ہم واپس نہیں جا سکتے۔"

بادشاہ گھبرایا ہوا تھا اور طوفان بڑھ رہا تھا۔

اچانک ایک بھاری آواز گونجی۔ "اس طوفان میں یہ کس کا جہاز جا رہا ہے۔"

بادشاہ چلا اٹھا، "یہ میرا جہاز ہے۔ میں بادشاہ ہوں اور سمندر کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرنے جا رہا ہوں، مگر تم کون ہو؟ یہ کس کی آواز ہے؟"

جواب میں ایک بھیانک قہقہہ سنائی دیا اور آواز آئی،

"نادان بادشاہ! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ سمندر کا بادشاہ تجھ جیسے ظالم انسان سے اپنی بیٹی کا بیاہ کر دے گا۔ جب تو اپنی بیٹی کو خوشی نہیں دے سکتا تو سمندر کی شہزادی کو کیا سکھ دے گا۔ ڈوب جا اس طوفان میں۔ یہی سزا ہے تیری۔ تو ظالم ہے اور تیرا وعدہ جھوٹا ہے۔"

اس وقت بادشاہ کو پہلی بار خیال آیا کہ اس نے واقعی اپنی بیٹی پر ظلم کیا ہے اور مچھیرے کے لڑکے سے وعدہ پورا نہیں کیا۔

"یہ سمندر تجھے ڈبو دے گا، تو نہیں بچ سکتا۔" آواز پھر آئی۔

"رحم کرو۔" بادشاہ چلایا، "میں واقعی ظالم ہوں، مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب وہی ہوگا جو میری بیٹی چاہے گی، میں توبہ کرتا ہوں۔"

"تجھے ایک موقع دیا جاتا ہے۔" آواز آئی۔ اور طوفان تھم گیا۔ بادشاہ صحیح سلامت ساحل پر لوٹ آیا۔

چند دنوں بعد شہزادی، مچھیرے کا لڑکا اور اس کی بہن ایک کشتی میں سے اسپین کے ساحل پر اُترے بادشاہ نے اپنی بیٹی اور مچھیرے کے لڑکے کو سینے سے لگا لیا اور کہا، "میرے بچو! اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میری جگہ تم ہی راج کرو گے۔ اس کے بعد وہ لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا، "سمندر کی شہزادی! کاش میں اب تم سے بیاہ کر سکتا؟"

وہ مسکرا کر بولی، "تم مجھ سے بیاہ کرنا چاہتے ہو تو ساحل پر چلو۔"

وہ سب ساحل پر آئے۔ دُور پانی سے باہر ڈولفن کا سر نظر آ رہا تھا۔ لڑکی نے ڈولفن کی طرف اِشارہ کر کے بادشاہ سے کہا، "میرا بیاہ ہو چکا ہے، دیکھو وہ رہا میرا دولھا۔" لڑکی نے ڈولفن سے نزدیک آنے کو کہا، وہ نزدیک آ کر بولا، "اگر تم چاہو تو اپنے بھائی کے ساتھ محل میں رہو۔"

وہ بولی، "بیوی کی زندگی شوہر کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ پانی میں کُود پڑی ——— اور پھر انھوں نے دیکھا کہ وہ ڈولفن کی پیٹھ پر بیٹھی ساحل سے دور چلی جا رہی تھی۔ بادشاہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

شہزادی کبھی کبھی مذاق میں مچھیرے کے لڑکے کو "مچھلی کا بیٹا" کہہ کر، چھیڑتی اور وہ اس کو مچھیرن کہہ کر چھیڑتا۔

اخبار و نہال

ڈیڑھ سالہ بچّہ اخبار پڑھتا ہے

لینن گراڈ کا ۱۴ ماہ کا بچہ، تارس چرنی کو غیر معمولی ذہانت کا مالک ہے۔ اس نے چار ماہ کی عمر میں بولنا شروع کیا۔ ایک سال کی عمر میں رُوسی زبان کے حروف تہجی سیکھ لیے اور ۱۴ مہینے کی عمر سے اخبار پڑھنے لگا۔

مرسلہ: نثار احمد ناز، حافظ آباد

چالیس سے کم نہ زیادہ

انڈونیشی جزیرہ جاوا کے ایک گاؤں جمبیو کی آبادی پچھلے چار سو سال سے صرف چالیس افراد پر مشتمل ہے۔ باہر کا کوئی شخص چاہے وہ انڈونیشی حکومت کا کوئی اعلا ترین افسر ہی کیوں نہ ہو اس گاؤں میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ نمبردار نے جو قانون بنا رکھا ہے اس کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ یہ قانون اب گاؤں والوں کے لیے ایک روایت بن گیا ہے۔ گاؤں کا کوئی شخص مر جائے یا وہاں سے چلا جائے تو اُس کی جگہ باہر سے پوری کر لی جاتی ہے تاکہ لوگوں کی تعداد پھر چالیس ہو جائے۔ اگر اضافہ ہو جاتا ہے تو زائد آدمی کو قتل کر دیا جاتا ہے یا گاؤں سے نکال دیا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں یہ واحد گاؤں ہے جس کی آبادی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

مرسلہ: محمد طارق حسین قریشی، حیدر آباد

لچکیلی جلد کا انسان

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی جلد اتنی لچک دار ہوتی ہے کہ وہ ربر کی طرح ایک یا ایک سے زیادہ فیٹ تک کھینچی جاسکتی ہے اور چھوڑنے پر وہ واپس چلی جاتی ہے۔

لچک دار جلد کا ایک قابل ذکر شخص جیمز مورس تھا، جس نے کئی برسوں تک بارنم اینڈ بیلے سرکس کے ساتھ سفر کیا۔ مورس جولائی ۱۸۵۹ء میں نیویارک میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی زندگی ایک حجام کی حیثیت سے شروع کی۔ ۱۸۸۲ء میں وہ بارنم کے ساتھ تھا اور ۱۵۰ ڈالر فی ہفتہ کمالیتا تھا۔ اس نے امریکا اور یورپ کا دورہ کیا۔ سائڈ شو کیے۔ وہ اپنے سینے کی جلد کو سر کے اوپر تک کھینچ سکتا تھا، اور وہ اپنی ایک ٹانگ کی جلد کو دوسری ٹانگ کے گرد لپیٹ سکتا تھا۔ اس کے باوجود اسے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔

مرسلہ: نجمہ مریم انصاری، کراچی

بغیر ڈرائیور کی کار

امریکی ماہرین ایک ایسی کار بنا رہے ہیں جس میں ڈرائیور نہیں ہوگا۔ یہ کار اپنے اسٹاپ سے چل کر مختلف مقامات کا خود سفر کرے گی۔ کرائے کی رقم مشین میں ڈالتے ہی کار چل پڑے گی اور بتائی ہوئی منزل پر خود بخود رک جائے گی۔ اس کے بعد خود ہی اپنے اسٹاپ پر واپس آجائے گی۔

مرسلہ: نذیر احمد، کوٹری

سب سے چھوٹا ٹی۔وی اسٹوڈیو

جرمنی میں دنیا کا سب سے چھوٹا اور جدید ترین آلات سے لیس چلتا پھرتا اسٹوڈیو ہے۔ حال ہی میں وفاقی جمہوریہ جرمنی کی ایک ٹیلے وژن کمپنی نے "مائنیز" میں اپنے چلتے پھرتے اسٹوڈیو کا افتتاح کیا۔ دو گاڑیوں پر مشتمل اس اسٹوڈیو میں کیمرے، روشنی، ایڈیٹنگ اور نگرانی وغیرہ کا پورا انتظام ہے۔ دو کیمرامین ایک فلم ٹیکنیشن اور ایک ساؤنڈ ٹیکنیشن اس اسٹوڈیو کو چلاتے ہیں۔ اس اسٹوڈیو کے ذریعے سے براہ راست نشریات بھی کی جاسکتی ہیں

مرسلہ: سید راشد علی وارثی، جھڈو

صحیح لفظ بتائیے

کشتی

۱۔ لکڑی کی بنی ہوئی چیز جس سے کشتی کو چلاتے ہیں۔
۲۔ کشتی کے پچھلے سرے پر لکڑی کی چیز جس سے کشتی کا رُخ موڑتے ہیں۔
۳۔ وہ کپڑا جو ہوا بھر جانے پر کشتی کی رفتار تیز کرتا ہے۔
۴۔ کشتی چلانے والا۔
۵۔ کشتی کا نگران، بڑا ملاح۔
۶۔ کشتی چلانے کے لیے دوسرا لفظ۔
۷۔ کشتی کے رُخ کی مخالف ہوا۔
۸۔ کشتی کے رُخ کے مطابق ہوا۔
۹۔ سمندر یا بہاؤ کے بیچ میں پانی کی تیز دھار۔
۱۰۔ دریا کا وہ پانی جو چکر کھاتا ہے۔
۱۱۔ لوہے کی زنجیر یا رسّہ جو کشتی یا جہاز ٹھہرانے کے لیے رکھتے ہیں کہ پانی اسے بہا نہ سکے۔
۱۲۔ دریا کا کنارہ۔ دریا میں اُترنے، سوار ہونے کا مقام
۱۳۔ وہ مَلّاح جو کشتیوں کے کرائے وغیرہ کا انتظام کرتا ہے۔
۱۴۔ چُنگی یا محصول جو گھاٹ پر لیا جاتا ہے۔
۱۵ پانی بہنے کے رُخ۔
۱۶۔ کشتی کے دوسرے نام۔

(جوابات صفحہ ۶۰ پر دیکھیے)

لفظ پوچھیے

ہمدرد نونہال میں ہم آسان الفاظ استعمال کرتے ہیں، لیکن پھر بھی بعض لفظ بہت سے نونہالوں کے لیے نئے ہوتے ہیں۔ ایسے لفظوں کے استعمال کرنے کا فائدہ یہ بھی ہے کہ نونہال نئے نئے لفظوں سے واقف ہوتے ہیں اور اُن کا علم بڑھتا ہے، ان لفظوں کے معنی لڑکوں کو اپنے والدین یا اُستاد سے پوچھ لینے چاہئیں۔ اگر اُن سے نہ معلوم ہوسکیں تو وہ الفاظ ہمیں لکھ کر بھیجیں۔ ہم ان معنی آئندہ شمارے میں شائع کردیں گے۔ ایسے الفاظ الگ کاغذ پر لکھ کر بھیجیے۔

اس طریقے سے ہمیں یہ بھی اندازہ ہوگا کہ کون کون سے اور کس قسم کے لفظ نونہالوں کو عام طور معلوم نہیں ہیں اور آئندہ ہم خود بھی خیال رکھیں گے کہ اگر ان لفظوں کی جگہ آسان لفظ آسکتے ہیں تو آسان لفظ ہی استعمال کریں۔

ہمارا ایک مشورہ یہ بھی ہے اُردو کی کوئی لغات کی کتاب بھی نونہالوں کو اپنے پاس رکھنی چاہیے۔

جوابات: صحیح لفظ بتائیے

۱۔ چپّو

۲۔ پتوار، سُکّان

۳۔ بادبان

۴۔ مَلّاح، مانجھی، کشتی بان

۵۔ ناخُدا

۶۔ کشتی کھینا

۷۔ بادِ مخالف

۸۔ بادِ موافق

۹۔ مَنجدھار

۱۰۔ گرداب، بھنور

۱۱۔ لنگر

۱۲۔ لنگر گھاٹ، پتن

۱۳۔ گھاٹ مانجھی

۱۴۔ گھاٹ باری یا واری

۱۵۔ بہاؤ

۱۶ ناؤ، بجرا، ڈونگا، شکارا، سفینہ

خواجہ حسن نظامی ـــــ نثر کا بادشاہ

سیّد اوصاف علی

لوگ ملک ملک کے بادشاہ ہوتے ہیں اور تاریخ میں اپنے کردار اور کارناموں کے مطابق نام پاتے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی کسی ملک کے بادشاہ نہ سہی، لیکن نثر کے بادشاہ ضرور تھے۔ حسرت نے تو انھیں نثر کا شاعر تک لکھ دیا ہے! میں اپنے اس مضمون میں خواجہ صاحب کے بارے میں ایسی باتیں لکھنا چاہتا ہوں، جو میں نے اپنے بزرگ نانا اور نامور اہلِ قلم ملّا واحدی مرحوم کی زبانی سُنی تھیں نیز حسبِ ضرورت اپنے تاثراتِ قلب بھی پیش کروں گا۔

حضرت خواجہ حسن نظامی، جن کے نام کے ساتھ مصورِ فطرت لکھا جاتا ہے۔ دلّی کی اُن بے مثل ہستیوں میں سے ایک تھے، جن پر دلّی اور اہل دلّی کو فخر و ناز تھا۔ وہ ۲ر محرم ۱۲۹۶ھ کو دہلی کے ایک نہایت غریب خاندان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے افلاس کی گود میں آنکھیں کھولی تھیں۔ اس بنا پر اُن کی تعلیم مکمل نہ ہو سکی! لیکن تعلیم سے بڑی شے "تربیت" انھوں نے ضرور حاصل کی تھی سچ پوچھو تو انسان کو انسان بنانے والی اصل چیز تعلیم نہیں بلکہ تربیت ہوا کرتی ہے۔ بے شک تعلیم انسانی شخصیت کی نشو و نما کا ذریعہ ہے، مگر تربیت انسانیت کا جوہر ہے۔

خواجہ صاحب نظام الدین اولیاءؒ کے خواہر زادوں کی اولاد میں تھے، اس لئے فطرتاً شرافت اور غیرت اُن کی ذات میں تھی۔ حضرت کے والد درگاہِ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خادموں میں سے تھے۔ آمدنی انتہائی قلیل لیکن والدین کے مقاصد جلیل تھے۔ غیور فطرت ماں باپ نے ایسی عمدہ تربیت دلوائی کہ یہی غریب لڑکا لکھ پتیوں میں شمار ہونے لگا۔ اور خدا معلوم کتنے آدمیوں کا پیر و مُرشد اور امام ہوا، اور دنیا کا بہت بڑا ادیب بھی۔

حضرت خواجہ صاحب کو علوم دین میں بھی بصیرت حاصل تھی اور حکومت نے انھیں "شمس العلما" (یعنی عالموں کا سُورج) کا خطاب دیا تھا۔ خواجہ صاحب بحیثیت پیر بھی بڑے کامیاب تھے۔ انھوں

نے معاملات رُوحانی میں بھی اتنی ترقی کی کہ تین لاکھ سے زیادہ مُریدوں کے مرشدِ کامل بنے۔ خواجہ صاحب تو ہر فن مولا تھے، وہ بیک وقت مُبلغ اسلام، راہنما، ادیب، صحافی اور پیر تھے۔ ہر شعبہ میں انھوں نے حیرت ناک ترقی کی۔ خاک پر ہاتھ ڈالتے تھے تو کُندن بن جاتی تھی! خواجہ صاحب کی یہ خوبی خداداد تھی۔

خواجہ صاحب ایک غیرت مند آدمی تھے۔ انھوں نے اپنے ناموافق حالات کا جس پامردی سے مقابلہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ بڑے دل گُردے کے انسان تھے۔ ان کی آنکھوں میں غیر معمولی کشش تھی جو دِلوں پر جادو کا اثر کیا کرتی تھی۔ خواجہ صاحب نے شردھانند کی تحریک سے جس بہادری کے ساتھ ٹکر لی، اس کا جواب نہیں تھا۔ وہ غیر معمولی قوت ارادی کے مالک تھے انھوں نے تجارت میں بھی کمال پیدا کر کے دکھلایا۔ خواجہ صاحب محنت کی عظمت کے قائل تھے اس لیے انھیں کسی کام یا محنت سے عار نہ تھا۔ ان کی خوبی یہ تھی کہ انھوں نے اپنی ترقیوں سے دھوکہ نہ کھایا اور ان کے دِل و دماغ میں غرور نہ تھا۔ انھوں نے اپنے تنگ دستی کے دنوں کو یاد رکھا اور نادار طبقے کی امداد کو اپنا شعار بنالیا تھا۔ اپنے ایک عنایت نامے میں مُلّا واحدی مجھے تحریر فرماتے ہیں:

"عزیزم! انسان کو جُوں جُوں دوسروں پر قابو حاصل ہوتا ہے، دُوں دُوں اُس کا اپنے اُوپر سے قابو اُٹھتا جاتا ہے۔ خواجہ حسن نظامی علیہ الرحمہ کی (تحریر و تقریر سے بھی) بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکے۔ اُن میں خناس نہیں سمایا۔ اپنی ترقیوں سے انھوں نے دھوکہ نہیں کھایا۔"

واقعہ یہ ہے کہ انھی خصوصیات میں خواجہ صاحب کے کردار کی بلندی اور سیرت کی عظمت کا راز چھپا ہوا ہے!

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہر فن مولا تھے لیکن دراصل خواجہ حسن نظامی ادب کے پیدائشی تھے۔ وہ اصل میں بالکل فطری ادیب تھے۔ اردو زبان و ادب کے ایک البیلے اور صاحبِ طرز ادیب و انشا پرداز۔ دلّی اور اُردو کے واقعی سچے عاشق اور اپنے رنگ کے مُنفرد لکھنے والے اپنے ایک اور خط میں واحدی صاحب فرماتے ہیں:

"خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کی تحریر کے متعدد رنگ تھے، اور سب پختہ تھے۔ میں ان کی صرف

سادہ نویسی کا مُقلِد ہوں۔ دوسرے رنگوں کی تقلید نہیں کر سکتا۔

زبان سیکھنا، یعنی پڑھنے سے بھی آجاتی ہے، مگر سننے سے خوب آتی ہے۔"

ایک مرتبہ فرمایا کہ خواجہ صاحب نے اپنی زندگی میں اتنا لکھا ہے جس کا پڑھنا بھی مشکل ہے انھوں نے بے شمار اخبار، روزنامے، ہفت نامے، پندرہ روزہ اور ماہ نامے جاری کیے جو بقول شاہد احمد صاحب دہلوی شہاب ثاقب کی طرح مطلع صحافت پر نمودار ہوئے۔ "منادی" تو آج بھی اُن کی زندہ نشانی ہے جس کو اُن کے بیٹے حسن ثانی نظامی نکال رہے ہیں۔

خواجہ صاحب عجب وضع کے بُزرگ تھے۔ اُن کا دل جذبات کا سرچشمہ اور دماغ غیر معمولی سوچوں کا بادشاہ تھا۔ اُن کا روزنامچہ پڑھنے سے ان کے غیر معمولی تخلیقی دماغ اور جدت وندرتِ طبع کا پتہ چلتا ہے۔ خواجہ صاحب کا روزنامچہ اب ایک نادر چیز بن چکا ہے۔ اس روزنامچے میں شب و روز کی باتیں ہوتی تھیں مگر اس کی مقبولیت کا راز واقعات کے بیان میں نہیں بلکہ اُس شیریں زبان اور طرزِ تحریر کی دل کشی میں تھا جو پھر خواجہ صاحب کے بعد کسی اور کو لاکھ کوشش کے باوجود بھی نصیب نہ ہو سکا۔ حالاں کہ یہ اندازِ تحریر نہایت سیدھا سادہ ہے، مگر ناقابلِ تقلید۔ اس کی سادگی و پرکاری پر ایک زمانہ فدا ہے۔ یہ ایسا طرز تھا جو خواجہ حسن نظامی سے شروع ہو کر انھیں پر ختم ہو گیا۔ وہ اپنے طرزِ خاص کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی!

سرعبدالقادر کے رسالہ "مخزن" سے لے کر بعد تک کے بلند پایہ ادبی رسالوں میں خواجہ صاحب کے مضامین چھپے اور ہر ایڈیٹر نے اُن کے مضامین کی اشاعت کو اپنے کارناموں میں شمار کیا ہے۔

خواجہ صاحب کی قابلِ ذکر کتابوں میں "سی پارۂ دل" (جس میں علم وعرفان کا دریا بند ہے) کے علاوہ "غدرِ دلی کے افسانے" بہت مشہور ہیں، جو چودہ جلدوں میں ہیں اور اتنے پرتاثیر ہیں کہ اگر یہ افسانے پڑھیں تو آنکھوں میں آنسو آ ہی جاتے ہیں۔ اُردو زبان و ادب کو پرستار ہمیشہ ملے اور ملتے رہیں گے مگر خواجہ حسن نظامی جیسا اُردو کا عاشق اور بہترین انشا پرداز اب کہاں پیدا ہوگا۔

ایک بڑھیا ریل میں سفر کر رہی تھی کہ اس نے زنجیر کھینچ لی۔ گارڈ نے آکر وجہ پوچھی تو بڑھیا بولی،

"بیٹا! گاڑی ذرا آہستہ چلانا میرے انڈے نہ ٹوٹ جائیں۔"

عہد جدید کے تقاضے ماضی سے کہیں مختلف ہیں۔ اس عہد کے زاویہ ہائے نظر بھی بالکل جدا ہیں۔ سائنس کی وجہ سے انسانی تصورات میں جو انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کے معاشرتی ردعمل نے انسان کے لیے گوناگوں مسائل پیدا کر دیے ہیں ہمیں ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔

اِن ہی اہم مسائل میں صحت کا مسئلہ بھی ہے جسے ہمدرد اس دور کے تقاضوں کے مطابق ترقی یافتہ سائنسی طریقوں کی مدد سے حل کرنے کے لیے سرگرم کار ہے

ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

اَرے نکھٹو! اِس طرح بے کار بیٹھنے
کے بجائے تجوری ہی صاف کر دی ہوتی
جی نہیں، بیگم صاحب!
میں کوئی چور ڈاکو نہیں ہوں

نونہال مصوّر

انور محمود انصاری، کراچی

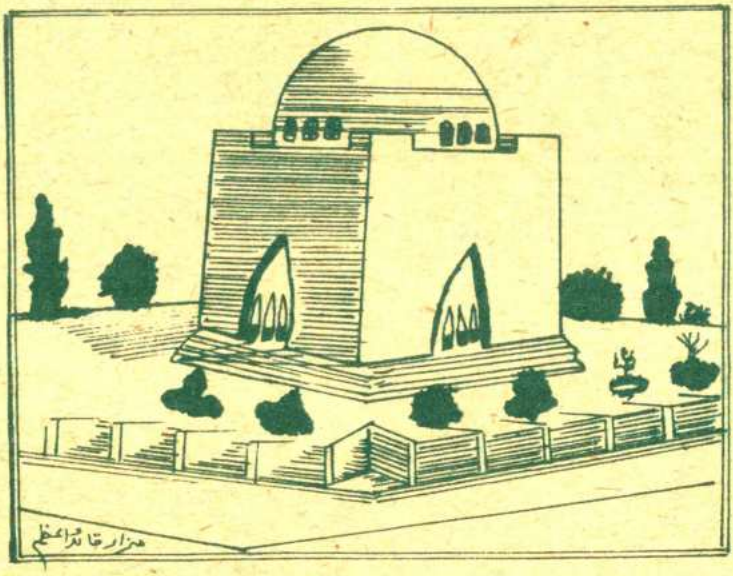

محمد جاوید ذکی، کراچی

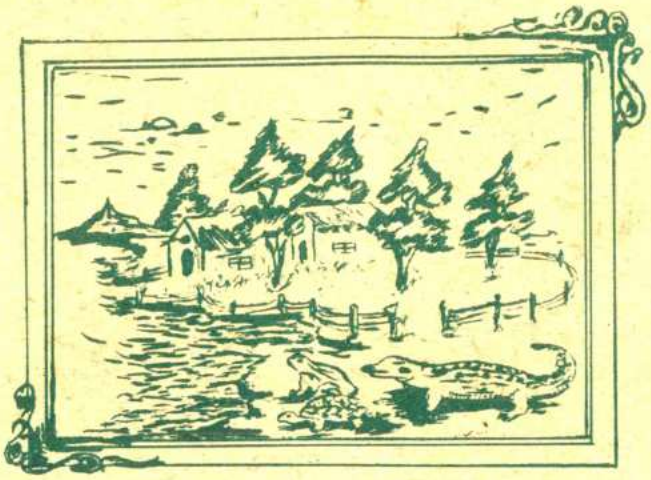

ایم نذیر علی ، پشاور

غفار بلوچ پرویز ، پسنی

صحت مند نونہال

ندیم حسین۔ لطیف آباد۔ حیدرآباد

فرزانہ کوثر۔ نیو ڈڈیال (میرپور آزاد کشمیر)

سید اطہر عباس، ملتان روڈ۔ لاہور

سید وسیم، کراچی

آفاق امام، کراچی

محمد طاہر۔ پشاور

سید عارف عالم، کراچی

آصف علی حیدر، نیو ڈڈیال (آزاد کشمیر)

عامر خلیل اوپل، گجرات

نوید قمر - نواب شاہ

شہزاد سلیم رانا - کراچی

انور حسین پرویز - سکھر

عثمان عزیز - نوی والا، کراچی

اکبر علی بلوچ - ڈگری سندھ

سہیل اختر - ایبٹ آباد

محمد شکیل ویدہ راتی، لانڈھی

سلسلہ نمبر ۱۳۷

معلوماتِ عامّہ

مُرتّبہ: کھتری عصمت علی پٹیل

نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۲۰ ستمبر ۱۹۷۷ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور ان پر معلومات عامہ ۱۳۷ ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات ایک کاغذ پر نمبر وار لکھیے اور آخر میں اپنا نام اور پتا بھی لکھیے۔ تصویر کے پیچھے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور تحریر کیجیے۔ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام اور تصویریں نومبر ۱۹۷۷ء کے شمارے میں شائع کی جائیں گی۔

۱۔ وہ کون سے پیغمبر ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے گُلکنت دُور کرنے کی دُعا مانگی تھی۔

۲۔ بتائیے "گولڈن گیٹ پُل" کہاں واقع ہے؟

۳۔ امریکا کے مشہور خلائی ادارے کا نام کیا ہے؟

۴۔ یونیسکو کی جانب سے ۱۶ زبانوں میں شائع ہونے والا کوریئر رسالہ اردو میں پاکستان میں کس نام سے اور کس کی ادارت میں شائع ہوتا ہے؟

۵۔ اس مشہور نہر کا کیا نام ہے جو امریکا نے بحرالکاہل اور بحرِ اوقیانوس کو ملانے کے لیے کھدوائی؟

۶۔ مشہور آتش فشاں پہاڑ "فیوجی" کا تعلق کس مُلک سے ہے؟

۷۔ بتائیے ٹماٹر سبزی ہے یا پھل؟

۸۔ پاکستان کے پہلے ٹیسٹ کرکٹ میچ میں پہلی ٹیسٹ سینچری بنانے والے کھلاڑی کا نام بتایئے؟

۹۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں امریکا کے وہ کون سے چار صدر ہیں جنھیں قتل کیا گیا؟

۱۰۔ کیا آپ کو معلوم ہے اٹلی کس براعظم میں واقع ہے؟

ہمدرد نونہال، ستمبر ۱۹۷۷ء

رنگ برنگی پھلجھڑیاں

◯ ایک عورت اپنی پڑوسن سے کہہ رہی تھی کہ میرے شوہر کتابیں لکھتے ہیں اور ان کے ہر لفظ کی قیمت دو روپے ہوتی ہے۔ دوسری عورت نے کہا کہ میرے شوہر بھی لکھتے ہیں ان کے ہر لفظ کی قیمت کبھی کبھی سینکڑوں روپے اور کبھی کبھی ہزاروں روپے ہوتی ہے۔

پہلی عورت: (حیرانی سے) تمہارے شوہر کیا لکھتے ہیں؟

دوسری عورت: وہ چیک لکھتے ہیں۔

◯ کسی گھر کا بلب فیوز ہو گیا تھا۔ نوکر نے اسے باہر پھینکنے کی بجائے الماری میں رکھ دیا۔

مالک: (نوکر سے) اسے الماری میں کیوں رکھ رہے ہو، باہر پھینک دو۔

نوکر: نہیں صاحب، یہ بلیک آؤٹ کے دنوں میں کام آئے گا۔

مرسلہ: محمد اکمل بھٹہ، مظفر گڑھ

◯ ایک غائب دماغ پروفیسر صاحب نے ایک بالکل نئی طرز کا پیراشوٹ بنایا۔ ایک روز وہ آزمائش کے لیے ایک ہوائی جہاز میں سوار ہو گئے اور دو ہزار فیٹ کی بلندی سے چھلانگ لگا دی مگر جب وہ زمین سے تین سو فیٹ کے فاصلے پر رہ گئے تو اچانک چلّائے۔

"لاحول ولا قوۃ۔ پیراشوٹ تو میں جہاز ہی میں بھول آیا ہوں۔"

مرسلہ: ارشد بخاری، کراچی

◯ ایک بڑے میاں فلم دیکھنے گئے۔ جب فلم شروع ہوئی تو انہوں نے جیب سے چیونگم نکالی اور چبانے لگے۔ کچھ ہی دیر کے بعد وہ زمین پر کچھ ڈھونڈ رہے تھے۔ پاس بیٹھے ہوئے آدمی نے پوچھا، کہ کیا کھو گیا ہے؛ بولے، اپنی کھوئی ہوئی چیونگم تلاش کر رہا ہوں۔ وہ آدمی بولا "ارے صاحب چیونگم ہی تو گری ہے، دوسری لے لیجیے گا۔" وہ بڑے میاں فوراً بولے، "برخوردار چیونگم کے ساتھ میرے مصنوعی دانت بھی تو ہیں۔"

مرسلہ: سید جمال الدین، کراچی

◯ ایک وکیل نے اپنے موکل کی وکالت کرتے ہوئے جج سے کہا،

"حضورِ والا! میرے مؤکل کا مقدمہ بالکل اس قسم کا ہے، جس قسم کے فلاں فلاں مقدمات ہیں۔ اُن مقدمات کے فیصلوں کی مثالیں آپ اپنے پاس رکھی ہوئی قانون کی کتاب کے صفحہ ۳۲۳ اور ۳۲۴ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔"

جج نے قانون کی کتاب کھولی اور وہ صفحات نکالے۔ اُن صفحات کے درمیان سو سو کے چار نوٹ رکھے ہوئے تھے۔ جج نے نوٹ احتیاط سے جیب میں ڈالے اور متانت سے کہا،

"اس مقدمے کے فیصلے کے لیے اس قسم کی تین مثالیں اور پیش کی جائیں۔"

مرسلہ: عبدالسبحان چشتی

◯ ایک دیہاتی پندرہ سال لندن میں رہنے کے بعد جب اپنے گھر آیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تم نے وہاں سب سے عجیب بات کون سی دیکھی۔ اس نے کہا،

"وہاں مجھ سے بھی چھوٹے بچے انگریزی بولتے ہیں۔"

مرسلہ: جبین مقبول، کراچی

◯ ایک شخص: آپ کو معلوم ہے میرا نام کیا ہے؟

دوسرا: نہیں جناب!

پہلا: ارے نالائق!

دوسرا: بس بس۔ اب آپ کا نام معلوم ہوگیا ہے۔

مرسلہ: علی ارشد ہاشمی، کراچی

◯ فوجی افسر: (کیمپ کے سپاہی سے) تمہارے بال اتنے بڑھے ہوئے ہیں، کٹواتے کیوں نہیں؟

سپاہی: جناب، کس سے کٹواؤں؟

فوجی افسر: کیوں، کیمپ کا حجام کہاں گیا؟

سپاہی: جناب، میں ہی تو کیمپ کا حجام ہوں۔

مرسلہ: سید جمال احمد، کراچی

ایک صاحب اپنی بیگم کے چہیتے کتے کے رات بھر بھونکنے سے سخت عاجز تھے یوں ان کی نیند غراب ہوجاتی تھی ایک رات انہوں نے کتے کو خواب آور گولی کھلادی، لیکن پھر بھی وہ بھونکتا رہا۔

◯ اگلی رات دو گولیاں کھلائیں تب بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا تو انہوں نے چپکے سے دس گولیاں کھلانے کا پروگرام بنایا بیگم کو علم ہوا تو انہوں نے ان کی چائے میں خواب آور گولی ملادی اور وہ رات بھر مزے سے سوتے رہے۔ صبح اُٹھے تو بہت خوش تھے کہ گذشتہ دو رات کی گولیوں نے کتے پر اثر کیا اور وہ رات کو بھونکا نہیں۔

مرسلہ: بدر تبسم سکھر

◯ اخبار فروش: "آج کی تازہ خبر پندرہ آدمیوں کو ٹھگ لیا گیا۔"

ایک شخص نے اُسے روک کر اخبار خریدا اور آگے چل دیا۔ اخبار والے نے پھر آواز لگائی، "آج کی تازہ خبر سولہ آدمیوں کو ٹھگ لیا گیا۔"

مرسلہ: محمد اختر شاکر، کراچی

بیگم پروین اختر قدیر

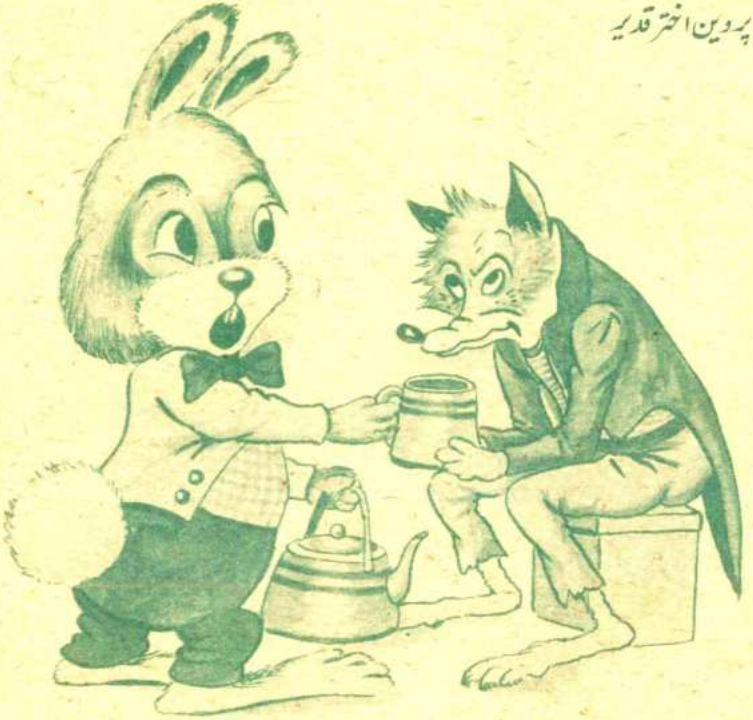

(ڈزنی کے دو کردار)

ڈزنی لینڈ۔ بچّوں کی حسین دُنیا

۱۵ دسمبر ۱۹۶۶ء کو ایک شخص مر گیا جس نے ایک ایسا چوہا تخلیق کیا تھا جس نے اسے ایک کروڑ پتی بلکہ ارب پتی انسان بنا دیا۔ بچّو! جانتے ہو وہ شخص کون تھا؟ یہ شخص امریکا کا مشہور آرٹسٹ والٹر ڈزنی تھا جسے عام طور پر والٹ ڈزنی پکارا جاتا ہے۔ ڈزنی ایک بڑے عظیم آرٹسٹ تھے۔ وہ کارٹون بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے جانوروں کی زندگی

پر کارٹون یا کیریکیچر کا فن استعمال کر کے ایسی دستاویزی فلمیں بنائیں جنھیں بچے، جوان اور بوڑھے سب ہی بڑے ذوق سے دیکھتے ہیں۔ انھوں نے ایک شریر چوہے "میکی ماؤس" کو اپنا شاہ کار بنا کر ایسی سلسلے وار فلمیں بنائیں جس سے انھوں نے کروڑوں روپے حاصل کیے۔

والٹر ڈزنی ۵ دسمبر ۱۹۰۱ء میں امریکا کے ایک شہر شکاگو میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد الیاس ڈزنی ایک چھوٹے سے فارم کے مالک تھے۔ یہ فارم اتنا مختصر تھا کہ اس میں یقیناً کسی معقول آمدنی کی گنجائش نہ تھی۔ الیاس بڑے سخت گیر باپ تھے۔ وہ بڑے کنجوس بھی تھے۔ گاؤں کی زندگی ویسے بھی کچھ زیادہ دلچسپ نہ تھی اس پر یہ مصیبت تھی کہ بے چارے والٹر ڈزنی کو کبھی کھلونے خرید کر نہیں دیئے گئے نہ کوئی جیب خرچ کبھی ملا۔ شروع شروع میں انھیں یہ زندگی بڑی تکلیف دہ محسوس ہوئی مگر وقت کے ساتھ اُن کا رویہ بدل گیا اور یہی سادہ دیہاتی ماحول اُن کے دماغ پر اس طرح چھا گیا کہ وہ کبھی اس سے ہٹ نہ سکے۔ اُن کی میکی ماؤس سلسلے کی پہلی دستاویزی فلم کا پس منظر بھرپور انداز میں دیہاتی ہے۔

میکی ماؤس کھیت و کھلیان کا چوہا ہے جو عجیب و غریب شرارتیں کرتا ہے۔ فارم پر رہنے والے مختلف جانوروں کی نقلیں کرتا ہے۔ انھیں چھیڑتا ہے اور اُن سے دھر پٹخ میں اُسے بڑا لطف آتا ہے۔

والٹر ڈزنی کے والد اپنے مختصر فارم کو کامیابی سے چلا نہ سکے اور آخر انھوں نے اسے فروخت کر کے شہر کنساس کے ایک اخبار کی تقسیم کی ایجنسی لے لی۔ اس کام میں الیاس ڈزنی نے اپنے بیٹے کو بھی لگا لیا۔ والٹر ڈزنی اُس زمانے کی سخت زندگی کے متعلق کہا کرتے تھے کہ:

"اب بھی کبھی اس کی سختی اور ہولناکی کے ڈراونے خواب مجھے نظر آتے ہیں جب صبح صبح انتہائی سخت سردی میں مجھے اخبار تقسیم کرنے گھر گھر جانا پڑتا۔"

والٹر کے باپ بلا کے سخت آدمی تھے۔ ذرا سی خطا پر بیٹے کی پٹائی کر دیتے۔ بچوں سے سخت کام لیتے اور انھیں اُجرت یا انعام نہیں دیتے تھے۔

شہر کنساس میں ڈزنی نے پریشانیوں اور تکلیفوں کے علاوہ بہت سی خوشیاں بھی حاصل کیں۔ یہاں انھوں نے ایک آرٹ اسکول میں آرٹ سیکھا اور یہیں انھوں نے تھیٹر کی ایکٹنگ کی تربیت حاصل کی۔

والٹر کے والد نے تھوڑے عرصے بعد اخبار کی ایجنسی سے بھی پیچھا چھڑا لیا اور اسے فروخت کر کے مربا بنانے کے ایک کارخانے میں پیسہ لگایا۔ باپ کے شکاگو چلے جانے کے بعد والٹر کو زندگی میں پہلی بار سکون میسر آیا۔ اب روز روز کی پٹائی اور ڈانٹ ڈپٹ سے نجات مل گئی۔ انھوں نے کنساس میں چھوٹے چھوٹے بہت سے کام کیے۔ ریلوے ٹرین پر مٹھائیاں بیچیں۔ اخبار بیچے۔ کچھ وقت یہاں گزارنے کے بعد وہ شکاگو چلے گئے جہاں انھوں نے مربا بنانے کے کارخانے میں اپنے باپ کے کام میں ہاتھ بٹایا۔ شکاگو میں انھوں نے آرٹ کی تعلیم لی اور ایک کارٹونسٹ لیرائے جوسیٹ سے کارٹون بنانے کا فن سیکھا۔ یہاں ان کو کچھ عرصے ایک ڈاک خانے میں بھی کام کرنا پڑا۔ پھر ریڈ کراس کے ٹرک چلانے لگے۔ یہ کام انھیں دل چسپ لگا۔ خوب سیر سپاٹے رہتے تھے۔ اس کام کو چھوڑ کر ایک کینٹن میں ٹرک ڈرائیور ہو گئے۔ یہاں ایک دن اپنے ٹرک پر انھوں نے ایک کاؤ بوائے کی تصویر بنا ڈالی۔ یہ تصویر کینٹن کے افسروں کو ایسی پسند آئی کہ انھوں نے کینٹن کے لیے بہت سے بورڈ اور اشتہار ان سے بنوائے۔

غرض لمبا عرصہ ٹکریں مارنے اور جوتیاں چٹخانے کے بعد ۱۹۱۹ء میں وہ شکاگو واپس آ گئے۔ باپ نے ایک مرتبہ پھر انھیں مربا بنانے کے کارخانے میں ملازم رکھنا چاہا مگر اب وہ کمرشیل آرٹ میں تقدیر آزمانے کا پکا ارادہ کر چکے تھے۔ وہ کنساس شہر چلے گئے اور یہاں انھوں نے "کنساس سٹی اسٹار" نامی، ایک اخبار میں زیر تربیت آرٹسٹ کی حیثیت سے نوکری کرنی چاہی لیکن انھیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر اس شہر میں پچاس ڈالر ماہانہ پر کمرشیل آرٹ کے ایک ادارے میں ملازم ہو گئے۔ شہرت اور پیٹ بھرنے کا یہ سفر بڑی لمبی مدت تک جاری رہا۔ پھر یکایک ان کے ذہن پر ایک جنون مسلط ہو گیا۔ اس کی تصویریں انھوں نے اپنی پتلون کے پائنچوں پر چلتی ٹرین میں بنائیں اور پھر ان کی پہلی دستاویزی فلم مکی ماؤس جب دنیا کے سامنے آئی تو ہر طرف سے واہ واہ کا شور بلند ہو گیا اور ڈزنی صاحب نے اتنی دولت کمائی کہ بہت بڑے امیر بن گئے، پھر تو انھوں نے مختلف جانوروں پر دل چسپ فلمیں بنانی شروع کر دیں۔

ذرا اندازہ کیجیے ۱۹۶۶ء میں والٹ ڈزنی کی بنائی ہوئی فلموں کو دُنیا کے تقریباً ۲۴ کروڑ انسانوں نے دیکھا۔ تقریباً دس کروڑ انسانوں نے ہر ہفتے اُن کے ٹیلی وژن شو دیکھے۔ ان کی بنائی ہوئی دِل چسپ کتابوں کو تقریباً ۸۰ کروڑ لوگوں نے پڑھا۔ تقریباً ۵ کروڑ لوگوں نے اُن کے جانوروں کے گانوں کے ریکارڈوں کو سُنا۔ اتنی شہرت اور اتنی مقبولیت آج تک دُنیا کے کسی انسان کو حاصِل نہیں ہوئی۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنی دولت اُن پر برس رہی ہوگی؟

ڈزنی لینڈ

بچو! والٹر ڈزنی بڑے اچھے آدمی تھے۔ ۱۹۵۲ء میں اُنھوں نے بچوں کی تفریح کے لیے ایک ایسا پارک بنانے کا منصوبہ بنایا جو دُنیا میں اپنی مثال نہ رکھتا ہو۔ آخر امریکا کے ایک شہر لاس اینجلیز کے قریب اینا ھم نامی ایک قصبے میں اُنھوں نے ۱۶۵ ایکڑ زمین حاصل کی اور یہاں ایک ایسا پارک بنایا جسے بچوں کی بہشت کہنا چاہیے۔ یہ ایک ایسا پارک ہے جس میں داخِل ہو کر بچے تو بچے بڑوں کو بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ سچ مچ زمین پر نہیں، بلکہ کسی جادُو کی نگری میں پہنچ گئے ہیں۔ یہاں افریقہ کے خوف ناک جنگلات دریا، ربڑ کے بنے ہوئے مگرمچھ، بڑی بڑی مچھلیاں اور دریائی گھوڑے اس طرح اُچھلتے کُودتے اور مُنھ پھاڑتے پھرتے ہیں کہ انسان خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک جادُو کی نگری بھی ہے اس میں پہنچ کر واقعی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم جادُو نگر میں گھوم رہے ہیں۔ اس پارک کی دیکھ بھال کے لیے ۲ ہزار ۳ سو سے زائد مستقل ملازمین ہیں۔ اس پارک میں بچوں کے لیے ننھی مُنّی ریلیں ہیں۔ یہاں دِل چسپ کہانیوں کو حقیقت میں تبدیل کر دینے والا ماحول پیدا کیا گیا ہے۔ یہ کتنی خوب صورت دُنیا ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہر سال لاکھوں سیّاح اِسے دیکھنے کے لیے امریکا جاتے ہیں۔

ڈِزنی نے ساری عُمر محنت کی۔ بچپن کا زمانہ ہر چیز کے لیے ترس ترس کر گزارا، جو خوشیاں اُنھیں میسّر نہ آسکیں وہ اُنھوں نے اپنے مُلک کے بچوں کے دامن میں بھرنے کی بھرپور کوشش میں اپنا سب کچھ اس عظیم پارک لیے وقف کر دیا اور امریکا ہی نہیں دنیا کے ہر ملک کے بچے ان کے مشکور ہیں۔ کہ اُنھوں نے بے زبان جانوروں کے مُنھ میں زبان ڈال دی ہے۔ کہانیوں کو حسین رُوپ دینے والا یہ شخص جب مَرا تو ساری دُنیا کے بچوں نے اُسے خراجِ عقیدت پیش کیا۔

بزمِ نونہال

★ جولائی کا سرورق دیکھ کر محسوس ہوا کہ خود میں بھی اسلام کے دشمنوں سے لڑنے کے لیے بڑھ رہا ہوں۔

(محمد رؤف اقبال، کراچی)

★ نونہال کی قیمت میں پچاس پیسے کا اضافہ گوارا ہے۔ نونہال ادیب کے مضامین اور کہانیاں زیادہ معلومات افزا ہوتی ہیں۔ (محمد اصغر، ٹنڈو محمد خاں)

★ یہ رسالہ علم کا خزانہ ہے۔ آخر حلقۂ دوستی کا کیا مقصد ہے؟ میرے خیال میں یہ اپنے اصلی مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ (شیدائے شفیق، کراچی)

★ رسالہ پہلی دفعہ پڑھا ہر مضمون اور نظم پسند آئی خاص طور پر "جاگو جگاؤ"۔ (عاصم سلیم بڈھ بیر، پشاور)

★ شاہ لو اور پلنگ، انگریز تیس مار خاں نے شکار کھیلا اور فاتح سندھ، بہت پسند آئے۔

(اعجاز احمد ڈوگر، گمبٹ)

★ نونہال کی قیمت میں اضافہ قبول ہے۔

(نجیب الحسن، کراچی)

★ بزمِ نونہال، معلوماتِ عامہ، نونہال ادیب، فاتح سندھ اور انگریز تیس مار خاں بہت پسند آئے۔

(سید بلند اختر شاہد، سید غلام عباس شاہ جھکڑ امام شاہ)

★ ہمدرد نونہال کا مستقبل بڑا تابناک اور درخشاں نظر آتا ہے۔ (مقصود احمد فاروقی، کراچی)

★ نونہال ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے۔

(محمد ایوب برمی، ڈیرہ اسماعیل خاں)

★ تازہ شمارے میں عشرت بلقیس صاحبہ کی کہانیاں بہت پسند آئیں۔ (جاوید اقبال، بہاول نگر)

★ حلقۂ دوستی بند کر دیجیے۔ رسالہ کے دام چاہے کچھ ہوں میں خریدتا رہوں گا۔

(مسلم داؤدی، کراچی)

★ قیمت میں اضافہ یقیناً مجبوری ہو گیا ہوگا مگر غریب نونہال کیا کریں۔ (اسداللہ، جھڈو)

★ نونہال پانچ روپے میں بھی ملے تو خرید دوں گا۔

(ایس ایم خالد، کراچی)

★ حکیم صاحب کا 'جاگو جگاؤ' بے حد پسند آیا، حلقۂ دوستی بند نہ کریں۔

(حاجی امتیاز احمد، لائل پور)

★ براہِ کرم نونہال کی قیمت نہ بڑھائیں۔

(عابد حسین، حیدر آباد)

★ "جاگو جگاؤ" بہت عمدہ تھا، قطب شمالی کی ایک رات اور کائنات اور ہم' بے حد پسند آئے۔

(عبدالقیوم، جیکب آباد)

★ کیا آپ حلقۂ دوستی بند کر کے کوئی قسط وار سلسلہ شروع نہیں کر سکتے؟

(رخشندہ متین، فرخندہ متین، کراچی)

★ جولائی کا نونہال پسند آیا خاص طور پر فقیر کے بھیس میں اور شہزادی زرپاش۔

(عدنان قادر، میاں والی)

★ جولائی کا سرِ ورق دیکھ کر بے اختیار داد دینے کو جی چاہا اس پیارے رسالے میں زیادہ معلوماتی مضامین ہونے چاہئیں۔ (عابدہ خانم، ملتان)

★ جولائی کا سرِ ورق بے حد خوب صورت تھا

(نہال اختر ملک، کراچی)

★ جولائی کا نونہال معیار کے لحاظ سے منفرد تھا جناب محشر بدایونی اور شاہر لکھنوی کی نظمیں بہت پسند آئیں۔ شاہ لو اور پلنگ کی کہانی ایک حد تک ناصحانہ تھی۔ (گل محمد، ملیر کینٹ، کراچی)

★ آئندہ بھی جولائی جیسے سرِ ورق ضرور شائع کیا کیجئے۔ (محمد افسر امام، کراچی)

★ جولائی کا نونہال محمد بن قاسم کی تصویر سے مزین ہو کر جلوہ افروز ہوا، قیمت میں اضافہ خوشی منظور ہے کہانی عقل مند جوری اور نظمیں محنت اور بھائی بھلکڑ نقل شدہ تھیں۔

(محمد ادریس احمد، رحیم یار خاں، سید ظل عسکری، سید ذی شان، کراچی، محمد فاروق رانا، ظہیر الدین شیخ، کراچی، قیصر بیگ کال، حیدر آباد اور بہت سے نونہال)

> نقل کرنے والے نونہالوں کو سوچنا چاہیے کہ دوسرے ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہوں گے، تھوڑی سی محنت کر کے بھی نام پیدا کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایسے نونہال اب ہمیشہ کے لیے اس خراب عادت کو ترک کر دیں گے۔ چوری ہمیشہ پکڑی جاتی ہے۔ (مدیر)

★ ٹائٹل نہایت خوب صورت تھا، جاگو جگاؤ نہایت سبق آموز تھا، سرِ ورق کی کہانی فاتح سندھ بہت پسند آئی۔ (آفاق عالم، کراچی)

★ مجھے نونہال نصرت علی کے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے کہ نونہال کا معیار گرتا جا رہا ہے۔

(محمد ادریس خاں، رحیم یار خاں)

★ "جاگو جگاؤ" سمجھ داروں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ نونہال ادیب میں کتب بینی، ایک سچا واقعہ اور وقت یکساں نہیں رہتا، بہت پسند آئے۔

(رحیم بخش جاوید بلوچ، پنجگور)

★ عربی درس کا سلسلہ جلد شروع کیجئے، اخلاقی کہانیاں

ہمیں زیادہ پسند آئیں۔

(پنسل بہنیں، عطا خانہ آباد، تاجل بکیس اور محمد اکرم سومرو، کوئٹہ)

★ بزم نونہال میں کیا سارے ہی خط تعریفی ہوتے ہیں۔؟ (جاوید اقبال، شیخو پورہ)

> جو خط ہمیں ملتے ہیں وہی شائع کرتے ہیں۔ رسالہ نونہالوں کو پسند آتا ہے تو وہ تعریفی خط ہی لکھتے ہیں، آپ چاہیں تو تنقید لکھ سکتے ہیں۔

★ میں سوچتا ہوں آخر آپ اتنے سارے خط کیسے ہضم کر لیتے ہوں گے! نونہال کے گلدستے کی بھینی بھینی خوشبو سونگھ کر مجبوراً آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔

(این کے کرن، راول پنڈی)

★ رسالے کی قیمت صرف آپ ہی بڑھا رہے ہیں۔ ایسا کیوں۔؟

(شوکت علی بلوچ، کراچی)

> رسالے کی کتابت، کاغذ، چھپائی وغیرہ کے خرچ نے ہمیں اس اضافہ پر مجبور کر دیا ہے۔ اس رسالے کا مقصد صرف دولت سمیٹنا نہیں ہے، دوسرے رسالوں کے صفحات بہت کم ہوتے ہیں۔

★ حکیم سعید کا 'جاگو جگاؤ' بہت سبق آموز تھا

(ساجد امجد بھٹہ، مظفر گڑھ)

★ ۶ سال تک نونہال پڑھنے کے بعد اب خود میرا دل بھی کچھ لکھنے کو چاہ رہا ہے، آپ کا کیا مشورہ ہے

(غلام اللہ رند، خضدار)

> یہ آپ کا رسالہ ہے۔ چھ سال میں آپ کو اس کے مضامین اور کہانیوں کے معیار کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ آپ اچھی تحریر بھیجیں تو ہم بھلا کیوں نہیں چھاپیں گے۔

★ میری دلی خواہش ہے کہ آپ ہر شمارے میں کسی ملک کے حالات ضرور شائع کیا کریں۔

(عابد حسین ہوکریالہ، جہلم)

> ہم کسی ملک یا شہر کے بارے میں مضمون شائع کرتے رہتے ہیں آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا ان شاء اللہ۔

★ آپ نے نونہال کی قیمت میں اضافہ کر کے اچھا نہیں کیا۔ جولائی کا نونہال بہت پسند آیا۔ قلمی دوستی کا کالم ہرگز بند نہ کیجئے۔ (محمد اسلام، ملتان)

★ حکیم صاحب کا 'جاگو جگاؤ' سبق آموز تھا، فقیر کے بھیس میں اور محمد بن قاسم فاتحِ سندھ' بہت پسند آئے۔

(افتخار ضیاء، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

★ اس دفعہ کے نونہال میں 'فاتح سندھ'، شاہ نواز اور پلنگ اور شہزادی زرپاش بہترین مضامین تھے۔

(جاوید احمد، ڈیرہ غازی خاں)

★ جولائی کا نونہال پڑھ کر امتحان کی ایک مہینے کی ساری تھکن دور ہو گئی۔

(آمنہ شفیق الرحمان، مچھن آباد)

★ آج کل کے مہنگے زمانے میں نونہال جیسے رسالے کی قیمت بہت کم ہے۔ (محمد بلال ظفر عادل، راول پنڈی)

★ مجھے جولائی کے نونہال میں "الفاظ کے معنی بتلائیے" کا نیا سلسلہ بہت پسند آیا۔ رسالہ روز بروز اچھا ہوتا جا رہا ہے۔ (طارق محمود، ڈنگہ، گجرات)

★ نونہال دیکھ کر جی کھل اٹھا۔ ٹائٹل بہت حسین تھا۔ فقیر کے بھیس میں، بالکل بور کہانی تھی۔

(شیخ عظمت فاروق، سیالکوٹ)

★ اس شمارے کے تمام مضامین، کہانیاں، نظمیں اور خاص طور پر کارٹون بہت اچھے تھے۔

(ہما فاروق اور ان کی بہت سی سہیلیاں، کراچی)

★ نونہال ادیب میں حضرت سلیمان کا انصاف، عقل مند بوڑھی اور ماں کا پرس، خوب تھیں۔

(مشتاق ابراہیم، کراچی)

★ جناب شاعر لکھنوی سے متعارف کرانے پر جناب مسعود احمد برکاتی کا شکریہ، اس دفعہ آپ نے لطیفے کیوں شائع نہیں کیے۔ از راہ کرم حماقت دوستی کا سلسلہ ختم کر دیجیے۔ (سید اعجاز حیدر رضوی، ملکی، اٹک)

آپ کی طرح لطیفے ہمیں بھی پسند ہیں لیکن پھٹے پرانے لطیفے کوئی پسند نہیں کرتا۔ اگر اچھے اور نئے اور مزیدار لطیفے ہمیں ملتے رہیں تو ہم کبھی ناغہ نہ کریں۔

★ آپ خط کا جواب دیں یا نہ دیں میں نونہال ضرور پڑھتا رہوں گا۔ (افضل حسین شیخ، حیدر آباد)

شکریہ! آپ کا مطالعے کا ذوق داد کے قابل ہے۔

نونہالوں کی دلچسپی اور خطوط کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اس لیے جن نونہالوں کے خطوط شائع نہیں ہو سکے ان کے صرف نام شائع کیے جا رہے ہیں

کراچی سے سلیمان انصاری، صابرہ یاسمین، شبیہ فاطمہ، سید حشم الحسن نقوی، محمد ابراہیم، شریف الحق نعمانی، رفعت لطیف، عمران، عبدالجبار، توفیق خان، عرفان شاہ، محمد نعیم قاسم، غیر غمسی، غلام محی الدین، سید شفقت مہدی برنی، آصف کامران، قاسمی فرحان احمد، نصرت امین، نسیم اختر، بدر الہدیٰ، سید محمود حسنین رضوی، محمد یونس، محمد اکبر ایوب، حبیب اسماعیل، سید محمد جنید، محمد منان دوسانی، محمد نعیم عامر، نفیسہ عزیز، شہزاد سلیم، عبدالحفیظ علوی، ہاجرہ حفیظ علوی، محمد فاروق، قدسیہ من حسینی، سہیل انور، تزئین احمد، نصرت عظمیٰ، اصغر فواد، محمود عزیز نوری والا، عبدالقیوم خان، انوار احمد قائد جوہر، تحریم عالیہ، سید کاظم رضا، نوید انور۔ **حیدر آباد** سے افضل حسین شیخ، وسیم عالم فاروقی، کنڈھ کوٹ، عبدالفتاح، گڑھی یاسین، محمد خالد محمود آرائیں، **جیکب آباد** سے نصیر احمد شیخ شیدائی۔ **گدو بیراج** سے شمشاد علی **میر پور خاص** سے حامد سراج اشرفی **سکھر** سے سید انور مصطفیٰ رضوی، **اسلام آباد** سے شمس تبریز باسط تبریزی **راول پنڈی** سے محمد عابد حسین **لاہور** سے غلام چشتی انجم، **جڑانوالہ** سے محمد سہیل رزاق کھوکھر، خواجہ ضیاء اللہ محمد اویس منظر **اسکندر آباد** سے عبدالقدوس نوید **علو والی** سے ملک محمد حفیظ شاد، ملک ظہیر احمد قریشی **عیسیٰ خیل** سے محمود احمد انجم، شفاء اللہ شہباز، حفیظ الرحمٰن قمر، ملک امجد علی خیال، غلام نصیر فقیر، اسداللہ خاں فانی، فیاض محمد شاکر **گوجرانوالہ** سے دبیر حسین دبیر، متولی ضلع گوجرانوالہ سے محمد اکمل نعیم **ٹوبہ ٹیک سنگھ** سے محمد ذوالفقار ضیار، محمد اقبال ضیار، خالد نعیم **ہارون آباد** سے محمد جاوید

نونہال ادیب

ننھے لکھنے والے

حمد باری تعالیٰ	افتخار احمد	کراچی
نعت رسول مقبول	ملک عبدالجبار نجمی	رحیم یار خان
باپ کی نصیحت	آنسہ نغمہ بانو	کراچی
شبیرؓ کا باغ	سید مظہر عباس	اسلام آباد
کراچی تاریخ کے آئینے میں	شکیل احمد مینائی	کراچی
نمبر کا المیہ	جنید احمد زبیری	کراچی
ہمارے رسول کا ذوق عبادت	محمد خالد حمید	کراچی
آخری خواہش	اقبال اصغر	ملتان
اے مرد مجاہد (نظم)	تنویر احمد	راول پنڈی
آج تک یاد ہے	محمد اقبال آرائیں	دادو
شمس العلما مولوی نذیر احمد	نجیب الرحمٰن غوری	کراچی

نونہال (نظم)	بابر جمیل چوہان	اسلام آباد
گینڈ کا راز	آنسہ افشاں اختر	کراچی
چور نامہ (نظم)	آنسہ رضیہ خورشید	کراچی
بنگلا دیش	سید شکیل جاوید ہاشمی	کراچی
پیار کی پیاس	آنسہ سلمیٰ پروین صدیقی	کراچی
کون ہے وہ؟	شیدائے شفق	کراچی
سورج	محمد خالد قدائی بلوچ	مکران
مساوات اسلام	آنسہ شہلا یوسف زئی	اسلام آباد
سیلاب کی تباہ کاریاں	الطاف علی محمد علی	حیدر آباد
عید کا چاند (نظم)	سید فراست علی	کراچی
رمضان المبارک	محمد صغیر اعوان	سرگودھا
دل چسپ اور عجیب	حمیرہ حمید	ملتان

حمد

افتخار احمد، کراچی

تیری شان نرالی ہے
قُدرت ڈالی ڈالی ہے
شاہ ہو وہ یا کوئی گدا
وہ تیرا ہی سوالی ہے
سب گاتے ہیں گُن تیرے
سب ہی کا تو والی ہے
یہ دُنیا ہے تیرا باغ
تو اس باغ کا مالی ہے
تو نے بنائے چاند ستارے
تیری ذات کمالی ہے

نعت

ملک عبدالجبار نجمی، رحیم یار خان

سیدھی راہ دکھائے محمدؐ
بگڑے کام بنائے محمدؐ
آپ کا روضہ سب سے عالی
کُندھے پر تیرے کملی کالی
دُنیا ہے تیرے دَر کی سوالی
چُوموں میں روضہ کی جالی

*

پڑوسی کے حقوق

محمد فرخ گلزار چینوٹ

اسلام میں پڑوسی کو تنگ کرنا اُس کو تکلیف اور رنج دینا ایمان کے مُنافی ہے۔ اسلام میں پڑوسی کے بہت حقوق ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات پر پوری طرح عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے آپؐ نے ایک روز صحابہؓ کے سامنے فرمایا، "وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود پیٹ بھر کر کھانا کھائے۔ اور اُس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا"۔ ہمسائے کے ساتھ محبت اور خلوص سے پیش آنا چاہیے اور آپس میں ہمدردی اور خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے۔ ایک اور جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "خدا کی قسم وہ ایمان نہیں رکھتا۔ خدا کی قسم! وہ ایمان نہیں رکھتا۔" آپؐ سے پوچھا گیا، یا رسول اللہؐ! کون ایمان نہیں رکھتا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "وہ شخص جس کا پڑوسی اُس کی تکلیف سے محفوظ نہ رہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارک سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر ہمسایہ غریب ہو تو اُس کی امداد کرنی چاہیے، اگر مقروض ہو تو اُسے قرض دینا چاہیے، اگر بیمار ہو تو اس کی عیادت کی جائے۔ اور اگر وہ حاجت مند ہو تو اس کی حاجت پوری کرنی چاہیے۔ اسلام نے پڑوسی کے

ساتھ حُسنِ سلوک اور اُخوت و ہمدردی کی تعلیم دے کر معاشرتی زندگی میں خوش حالی پیدا کردی ہے۔

باپ کی نصیحت

نغمہ بانو، کراچی

یہ اُس زمانے کی بات ہے جب لوگ اپنی دولت سونا چاندی وغیرہ بنک میں جمع کرانے کے بجائے زمین میں گاڑتے یا دیواروں میں چھپا دیتے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد ضرورت پڑنے پر اس کو نکال لیتی اور خرچ کرتی۔

اسی زمانے میں عبداللہ نامی ایک سوداگر رہا کرتا تھا۔ وہ بڑی ایمان داری اور محنت سے تجارت کرتا اور جو کچھ مُنافع ہوتا اسے کفایت شعاری سے خرچ کرتا اور جو بچتا اُسے دیوار کے اُوپر بنے ہوئے ایک خانے میں اکٹھا کرتا رہتا۔ اُس نے اس کے ڈھکنے سے ایک رسّی لٹکا دی تھی۔

عبداللہ کے صرف ایک ہی لڑکا تھا وہ کچھ کام نہ کرتا۔ بس اپنے باپ کی محنت سے کمائی دولت فضول خرچیوں میں لُٹا دیتا تھا اس کے پاس ہر وقت بے کار اور بے فکرے دوستوں کے جمگھٹے لگے رہتے جو اس کی خوشامد کر کے اس کی دولت لُوٹتے۔ عبداللہ ہمیشہ نصیحت کرتا کہ فضول خرچی نہ کرو ایسے دوستوں سے میل کم رکھو یہ سب دولت کی وجہ سے تمہارے ساتھ ہیں۔ وقت پڑنے پر کوئی تمہارے کام نہ آئے گا۔ میں اب ضعیف ہو گیا ہوں میرا ہاتھ بٹایا کرو۔ اسی طرح وہ ڈھیروں نصیحتیں کرتا مگر اکبر پر اثر نہ ہوتا اور عیش و عشرت میں مصروف رہتا۔

اسی طرح کئی سال اور گزر گئے اب عبداللہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ اس نے وصیت میں ساری دولت اکبر کے نام کر دی اور یہ نصیحت کر دی کہ خراب دوستوں سے الگ ہو کر تجارت شروع کر دے۔ اگر اس نصیحت کو نہ مانے تو ساری دولت ختم ہونے پر فلاں کمرے میں لٹکتی ہوئی رسی سے خودکشی کرے۔ اُسے اُس دولت کا علم نہ تھا جو خانے میں چھپی تھی۔ اکبر نے نصیحت پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ اور عیش پرست ہو گیا۔ دولت کہاں تک چلتی آخر ایک دن وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گیا۔ اس نے دوستوں سے مدد مانگنے کا فیصلہ کیا مگر وہ سب بدل چکے تھے۔ راستے میں ملتے تو منہ پھیر لیتے۔ اب اکبر کو احساس ہوا کہ وہ کتنے غلط راستے پر جا رہا تھا۔ اگر باپ کی نصیحت پر عمل کرتا تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ اس نے سوچا کہ آخری نصیحت کو ہی مان لے۔ چناں چہ اس نے گناہوں سے توبہ و استغفار کی اور خودکشی کا ارادہ کیا۔ وہ جیسے ہی رسّی باندھ کر لٹکا رسّی لمبی ہو گئی خانے کا ڈھکنا کھلا اور سونے چاندی کے سکے کھن کھن گرنے لگے۔ اکبر یہ دولت دیکھ کر بے حد خوش ہوا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا اب وہ پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ اس نے بڑی محنت اور ایمان داری سے تجارت شروع کر دی اور بے فکرے، خوشامدی دوستوں کے بجائے ایمان دار اور نیک لوگوں کو اپنا دوست بنایا۔

شبیر کا باغ

سید مظہر عباس، اسلام آباد

کتنا دل کش، کتنا پیارا
شبیر نے ایک باغ لگایا

پہلے بہت سے بیج وہ لایا
اُن کو پھر مٹی میں مِلایا
نکلے بیج سے پودے آخر
کونپل پھوٹی پودے سے پھر
محنت کا پھل اُس نے پایا
کونپل پھوٹی پھول کھل آیا
پھر پھل نے چہرہ دِکھلایا
شبیر توڑ کے پھل گھر لایا
ایسی ہی گر ہو گی محنت
حاصل ہو گی عزّت و دولت

کراچی تاریخ کے آئینے میں

شکیل احمد مینائی، کراچی

کراچی کا نام کون نہیں جانتا ہے۔ کراچی پاکستان کا خوب صورت ترین شہر ہونے کے علاوہ ایک اہم تجارتی شہر اور بندرگاہ بھی ہے کراچی ایک ایسا شہر ہے جہاں ملک کی تمام تہذیبی، سماجی اور ثقافتی اقدار یکجا نظر آتی ہیں۔ موجودہ کراچی کے بارے میں تو آپ سب بہت کچھ جانتے ہیں۔ آیئے میں آپ کو کراچی کے ماضی اور تاریخ کے بارے میں بھی کچھ سُناؤں۔

ایشیا کی تاریخ میں کراچی کو ہمیشہ کسی نہ کسی حیثیت سے اہمیت حاصل رہی ہے۔ وہ جگہ جہاں آج کراچی واقع ہے۔ چودھویں صدی عیسوی سے اٹھارھویں صدی عیسوی تک شمالی ہند کی تجارت کا مرکز تصوّر کی جاتی تھی۔ کراچی لہری بندر اور ٹھٹھہ مشرقی اور مغرب ممالک کے درمیان ہمیشہ سے تجارتی و ثقافتی روابط کی ایک مضبوط کڑی رہے ہیں۔ تاریخ کے ابتدائی دور میں کراچی کو گھرالہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ سکندرِ اعظم اسی گھرالہ کے راستے ایران روانہ ہوا تھا۔ عہدِ مغلیہ میں اسی گھرالہ کو ایک مرکزی بندرگاہ کی اہمیت حاصل تھی۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں سلطان اورنگ زیب فرماں روائے دہلی نے اس کا نام اورنگ آباد رکھا اور اس کا انتظام گورنر ملتان کی عمل داری میں دے دیا۔ ایک طرف اس شہر کا ثقافتی تعلق ملتان، لاہور اور افغانستان سے تھا تو دوسری طرف اس کے تجارتی ناطے بمبئی، سُورت اور مالابار سے تھے۔ ۱۷ ویں صدی عیسوی میں کراچی کو مشرق اور مغرب کی تجارتی اجارہ داری حاصل ہو چکی تھی۔ لہری بندر اور ٹھٹھہ کی تجارتی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ کیوں کہ دریا کے کنارے مٹی سے لبریز ہو چکے تھے اور جہازوں کا بندرگاہ تک پہنچنا مشکل ہو گیا تھا۔ یہاں کراچی میں ہندو اور مسلمان

یک سال تعداد میں آباد تھے۔ ہندو اس مقام کو رام باغ کہتے تھے اور مسلمان اس کو کلاچی کہتے تھے۔

سلطنتِ مغلیہ کا اقتدار ختم ہونے کے بعد کراچی پر ایک عرصہ تک بسیلہ کے جام خاندان کا تسلط رہا۔ لیکن جب تالپور خاندان نے اقتدار پر قبضہ کیا تو کراچی پر فوج کشی کر کے اسے اپنے قبضے میں لے آئے۔ لہری بندر اور دیبل کی تباہی کے بعد کلاچی کی چھوٹی سی بستی کو سندھ کی تجارت و اقتصادیات میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں چالیس ہزار کشتیاں دریائے سندھ میں رواں دواں رہا کرتی تھیں۔ اور مچھلیوں کی تجارت دستاویز پیمانے پر ہوتی تھی۔ ایک بڑا طبقہ مچھلیوں کی تجارت سے گزر اوقات کرتا تھا اور انھیں خشک کر کے بڑے بڑے شہروں کو کشتیوں پر روانہ کیا جاتا۔ غرض یہ کہ کشتی بانی کو اس وقت عوامی زندگی میں بڑا دخل تھا۔ آج کل بھی کراچی ایشیا کا دروازہ کہلاتا ہے۔ تمام غیر ملکی جہاز یہاں سے گزرتے ہیں۔

یہ تھی کلاچی کی داستان۔ اب ذرا ایک نظر روشنیوں کے موجودہ شہر کراچی پر ڈال لیجیے۔ ماہی گیری یہاں اب بھی ہوتی ہے یہ شہر پاکستان کا دارالخلافہ بھی رہ چکا ہے۔ اور یہ کون نہیں جانتا کہ یہاں بابائے قوم حضرت قائد اعظمؒ پیدا ہوئے تھے۔ وہ کراچی جہاں کبھی چند ہزار افراد رہتے تھے آج کل اس کی آبادی پینتیس لاکھ (۳۵۰۰۰۰۰) کے لگ بھگ ہے۔ اور آج کل یہاں یونی ورسٹی انٹرنیشنل ایئرپورٹ، بندرگاہ، تیل صاف کرنے کے کارخانے، اسٹیل مل اور ایک ایٹمی بجلی گھر ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کراچی نے کتنی تیزی سے ترقی کی ہے۔

آخر میں میں بھی کہوں گا کہ اے کراچی خدا کرے کہ تیری عظمت میں روز بروز اضافہ ہو۔

نمبر کا المیہ

جنید احمد زبیری، کراچی

میرے بڑے ماموں صاحب حیدر آباد دکن (بھارت) میں رہتے ہیں۔ اس سال وہ ہم سے ملنے کے لیے آئے۔ ہم سب انھیں لینے کے لیے اسٹیشن پہنچے۔ گاڑی رُکنے پر جب وہ باہر نہ آئے تو سب نے انہیں تلاش کرنا شروع کر دیا۔ ایک ڈبّے میں وہ ہمیں مل گئے لیکن اس حالت میں کہ تکلیف کے آثار چہرے پر نمایاں تھے۔ اور وہ اپنے ہاتھ کو آہستہ آہستہ اوپر اٹھا رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ زیادہ بوجھ اٹھانے سے اُن کے کندھے کی ہڈّی اپنی جگہ سے ہٹ گئی ہے کیوں کہ وہ اپنے ساتھ کافی سامان لائے تھے۔ تقریباً دس منٹ میں ان کی یہ تکلیف دُور ہوئی اور وہ ہم سے خوشی خوشی ملے۔

ان کے آنے کے کافی عرصے بعد مجھے ان سے گفت گو کرنے کا موقع مل سکا۔ میں نے چھوٹتے ہی ان کے کندھے کی ہڈّی کے بارے میں سوال کیا کہ وہ اپنی جگہ سے اتنی آسانی سے کیوں ہٹ گئی تھی۔ انھوں نے پہلے تو مجھے ٹالنے کی بہت کوشش کی مگر میں نے آسانی سے ان کا پیچھا نہ چھوڑا تو بالآخر وہ مجبور ہو گئے۔ اور بولے۔ بیٹے! میری اس تکلیف کے پیچھے ایک دُکھ بھری داستان ہے۔ میں جوان لڑکا تھا تو جنگ عظیم دوم جاری تھی۔ اس زمانے میں لوگ دھڑا دھڑ فوج میں بھرتی ہو رہے تھے۔ میں بھی اپنے ایک دوست کے ساتھ فوج میں بھرتی ہو گیا اور لڑنے کے لیے محاذ

پر چلا گیا۔ ایک مرتبہ دشمن نے بڑا سخت حملہ کیا۔ ہماری کمپنی کے کئی جوان مارے گئے۔ مرنے والوں کے نمبر نوٹ کر لیے گئے۔ اور ان کے گھروں پر اطلاع بھجوا دی گئی۔ نمبر نوٹ کرنے والے نے اپنے قلم کی لغزش سے مرنے والے ایک جوان کا نمبر کچھ کا کچھ کر دیا اور اتفاقاً یہ غلط نمبر میرے دوست کا تھا جو اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔

میرے دوست کے گھر جس وقت یہ اطلاع پہنچائی گئی اس وقت وہاں اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ بوڑھا باپ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکا اور ایسا بیمار پڑا کہ پھر کبھی نہ اُٹھ سکا۔ جب کہ ماں کی حالت بہت بگڑ گئی اور وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگیں۔

جنگ ختم ہونے پر ہم دونوں دوست ایک ساتھ واپس آئے۔ ہندوستان کے ساحلی بمبئی پر اترتے وقت ہم دونوں بہت خوش تھے۔ میرے دوست نے چند تحائف بھی خریدے تھے۔ جب وہ خوش خوش اپنے گھر پہنچا تو اس کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا باپ صدمے سے انتقال کر گیا اور ماں پاگل ہو گئی ہے۔ میں اس کی اس وقت کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ یوں لگتا تھا کہ اس پر موت کا سناٹا چھا گیا ہے اور وہ اپنا ماغی توازن کھو چکا ہے۔

وقت جوں جوں گزرتا گیا میرا دوست بھی نارمل نظر آنے لگا۔ ایک مرتبہ لوگوں نے مجھے مشورہ دیا کہ اس کے ساتھ کہیں تفریح کر آؤں تاکہ اس کا دل بہل جائے اور پھر اس کو شادی پر آمادہ کیا جا سکے۔ میں اور وہ گاڑی لے کر پہاڑوں کی طرف نکل گئے۔ گاڑی وہ چلا کر رہا تھا۔ اچھی بھلی باتیں کرتے کرتے اچانک اس پر وحشت سوار ہو گئی اور اس نے خطرناک کھڈوں، تنگ موڑوں اور چٹانوں کے بیچ میں گاڑی کو پوری رفتار سے چھوڑ دیا۔ میں اس کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔ جان کس کو پیاری نہیں ہوتی؟ مجھے رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ اب یہ گاڑی کو کسی چٹان سے ٹکرا دے گا یا کسی کھائی میں گرا دے گا اور اس کی دیوانگی کا میں بھی شکار ہو جاؤں گا۔ موت کو اپنے سر پر کھڑا دیکھ کر میں نے جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول لیا اور جوں ہی اس نے موڑ نے کے لیے گاڑی ذرا آہستہ کی۔ میں نے باہر چھلانگ لگا دی چھلانگ لگاتے ہی میں کندھے کے بل ایک چٹان پر گرا اور میرا کندھا اتر گیا جب کہ میرے چہرے پر بھی شدید چوٹیں آئیں۔ ٹھیک اسی وقت مجھے ایک دھماکے کی آواز آئی اور ساتھ ہی میرے وحشت زدہ دوست کی چیخ بھی سنائی دی۔ میں اپنی تکلیف بھول کر اُٹھا۔ اور دوڑتا ہوا سڑک پر پہنچا۔ میری آنکھوں کے بالکل سامنے نیچے سینکڑوں فیٹ گہرا کھڈ تھا۔ اور میرے دوست کی گاڑی ایک کھلونے کی مانند لڑھکتی ہوئی اس میں گر رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی میں آگ لگ گئی اور میرا دوست اس آگ کے ساتھ ساتھ غموں کی آگ سے نجات پا گیا۔ میرے دل پر اس واقعہ کا گہرا اثر ہوا اور میں نے اپنے دوست کا نام زندہ رکھنے کے لیے اپنے بیٹے کا نام بھی اس کے نام پر جمروز رکھ دیا۔

ہمارے رسولؐ کا ذوقِ عبادت

محمد خالد حمید، کراچی

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آں حضرت صلعم ہر وقت اور ہر گھڑی یادِ الٰہی میں معروف رہتے تھے۔ آپ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے یادِ الٰہی میں معروف رہتے

جب وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سواری کرتے، سفر میں جاتے، واپس آتے، مسجد میں داخل ہوتے، مسجد سے باہر آتے یا میدان جنگ میں ہوتے غرض ہر حالت میں آپ کا دل اور زبان یادِ الٰہی سے غافل نہ رہتے۔

جوں ہی اذان کی آواز آتی آپؐ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور مسجد میں صحابہؓ کے ساتھ نماز ادا فرماتے عشا کی نماز سے فارغ ہو کر روزانہ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے۔

آپؐ نماز میں بڑی بڑی سورتیں تلاوت فرماتے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ "ایک رات مجھے آں حضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ آپؐ نے پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ شروع کی۔ میں سمجھا کہ آپؐ سو آیتوں تک پڑھیں گے لیکن آپؐ اتنی آیتیں پڑھ کر اور آگے چلے میں نے سمجھا اب ساری سورۃ ختم کریں گے۔ لیکن یہ سورۃ ختم ہوئی تو آپؐ نے سورۃ نساء شروع کر دی۔ یہ بھی ختم ہو چکی تو سورۂ آلِ عمران شروع کر دی۔" یہ تینوں سورتیں سوا پانچ پاروں کے قریب ہیں۔

رات کی خاموشی میں آپؐ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ ایک صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا آپؐ نماز میں مشغول ہیں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ روتے روتے اس قدر ہچکیاں بندھ گئی تھیں کہ گویا کوئی ہانڈی اُبل رہی ہے یا چکی چل رہی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کبھی کبھی آپؐ راتوں کو اُٹھ کر تن تنہا قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں نہایت گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں مانگتے تھے۔ رات میں جب آپؐ نماز میں قرآن مجید پڑھتے تو آپ کی قرأت کی آواز دُور تک جاتی اور لوگ اپنے بستروں میں آپ کی آواز سنتے۔ کبھی کوئی ایسی آیت آجاتی کہ آپؐ اس کے ذوق و شوق میں محو ہو جاتے تو بار بار اسی کو پڑھتے رہتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔ رمضان شریف کے مہینے میں آپ کی فیاضی کی کوئی حد نہ رہتی اور آپؐ کا شوقِ عبادت اس قدر بڑھ جاتا کہ آپ ساری ساری رات مصروفِ عبادت رہتے۔

رمضان شریف کے روزوں کے علاوہ بھی آپؐ دوسرے مہینوں میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ شعبان میں تو قریباً پورا مہینہ ہی روزے رکھتے تھے۔ ہمیں بھی اسلام کی تمام فرض عبادتیں خلوص اور توجہ سے ادا کرنی چاہئیں۔ اسی میں تمام مسلمانوں کی بھلائی ہے۔

آخری خواہش

اقبال اصغر، ملتان

خالد کا رزلٹ آگیا تھا۔ اس نے پانچویں کلاس میں اسکالرشپ لے کر سارے گاؤں میں اپنا نام نمایاں کر لیا تھا۔ تمام دوست اس کو مبارک باد دینے آئے۔ لیکن خالد کا غم کے مارے بُرا حال تھا۔ صرف دو ماہ قبل اس کے والد اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ مرنے سے پہلے انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے خالد کو اپنے پاس بُلا کر آخری خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا، "بیٹا! میں اس دنیا میں تمہارے اور تمہاری ماں کے لیے جو کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوں اس سے تم دونوں آرام کی زندگی بسر کر سکتے

ہو۔ تمھیں معلوم ہے میں تمہیں فوج میں بھیجنے کے خواب دیکھتا تھا اور اکثر تمہیں کیپٹن خالد کہا کرتا تھا۔ تو بیٹے یہ میری آخری خواہش ہے کہ تم فوج میں جاؤ اپنے وطن کا سر بلند رکھو اور وقت آنے پر وطن کو جان کی بھی ضرورت پڑے قربان کرنے سے دریغ نہ کرنا۔" اُس نے اسی وقت عہد کر لیا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ اپنے والد کی آخری خواہش ضرور پوری کرے گا۔

خالد نے آٹھویں جماعت میں بھی نمایاں پوزیشن حاصل کی تو اپنے ابا جان کی آخری آرام گاہ پر گیا۔ فاتحہ پڑھی اور اپنے عہد کو دہرانے کے بعد واپس آگیا۔ دو سال بعد خالد میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کر چکا تھا۔ سارے گاؤں والوں کا سر اپنے اس ہونہار کو دیکھ کر فخر سے بلند ہو جاتا تھا اور وہ پھولے نہ سماتے تھے۔ ایک دن اُس کی ماں نے اُسے اپنے پاس بُلا کر کہا، "بیٹا! اب تم نے میٹرک کر لیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم لاہور اپنی خالہ کے پاس چلے جاؤ تاکہ کالج میں داخلہ لے کر اپنا عہد پورا کر سکو۔" یہ سن کر خالد نے کہا۔ "امی جان! اگر میں شہر چلا جاؤں تو آپ اکیلی اتنا سارا کام کیسے سنبھال سکیں گی۔" ماں نے کہا، "بیٹا! گاؤں میں تم نے میرا سر بلند کر دیا ہے۔ گاؤں والے مجھے باجی، باجی کہتے نہیں تھکتے۔ وہ میری مدد کرنے میں فخر محسوس کریں گے۔"

پھر ایک صبح گاؤں کے کچھ لوگ اپنے اس ہونہار کو رخصت کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے۔ اور خالد ان سب کی دعائیں لیتا ہوا لاہور روانہ ہو گیا۔ اس کی خالہ نے اپنے ذہین بھانجے کو خوش آمدید کہا اور گلے لگایا اور پھر کچھ دنوں بعد اس کے خالو ڈاکٹر اختر کی کوششوں سے اسے شہر کے بہترین کالج میں داخلہ مل گیا۔ اس نے دل لگا کر محنت کی اور فرسٹ ائیر پاس کر کے سیکنڈ ائیر میں پہنچ گیا۔ خالد کا شمار کالج کے اچھے اور ذہین ترین طلبہ میں ہونے لگا تھا۔ لڑکے اس سے دوستی کے خواہش مند رہتے تھے۔ لیکن اُس کے دوستوں کا حلقہ مختصر تھا۔ کاشف، ندیم اور عثمان اس کے بہترین دوست تھے۔ وہ مستقبل میں ڈاکٹر بن کر ملک و ملّت کی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ خالد کو اپنے خالو پر بڑا فخر تھا۔ کیوں کہ ان کا شمار شہر کے بہترین ڈاکٹروں میں ہوتا تھا۔ خالد کو اپنے دوستوں کاشف، ندیم اور عثمان پر بھی بڑا فخر تھا۔ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کی ہر طرح مدد کرتے تھے۔

خالد کو سیکنڈ ائیر میں آئے ابھی تین مہینے ہی گزرے تھے کہ ایک دن گاؤں سے اس کی والدہ کی موت کی خبر پہنچی۔ وہ سب فوراً گاؤں روانہ ہو گئے۔ غم کے مارے خالد کا بُرا حال تھا۔ روتے روتے وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ جب حالت سنبھلی تو لوگوں نے بتایا کہ اس کی ماں نے مرتے وقت کہا تھا۔ "میرے خالد سے کہہ دینا کہ اپنے ابا جان کی آخری خواہش اور عہد کو نہ بھولے۔"

وہ لوگ تین دن گاؤں میں رہے۔ چوتھے روز اُس کے خالو نے واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو خالد نے گھر کا سارا سامان غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔ اور جب اپنے خالو سے گھر اور زمین کا فیصلہ کرنے کو کہا تو انہوں نے تمام مزارعین کو اکٹھا کر کے کہا۔ "دیکھو! آج تمھارے مالک بے شک اس دنیا میں نہیں ہیں۔ لیکن ان کی یہ نشانی خالد ابھی تم میں موجود ہے۔ اس کی ہر چیز کا خیال رکھنا۔ تم میں سے جن کے پاس مکان نہیں ہیں، وہ اس گھر میں رہ سکتے ہیں۔ چوں کہ خالد کو میں ساتھ لے جاؤں گا اس لیے اس کی زمینوں کی دیکھ بھال کرنا تم سب کا فرض ہے۔"

لاہور لوٹنے پر اس کے دوست اس کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ اس طرح اس کے دل میں جینے کی امنگیں دوبارہ پیدا ہو گئیں

اور وہ پھر محنت سے پڑھنے لگا۔

سردیاں بیتیں خزاں گزری اور پھر موسم بہار آگیا خالد ایف۔ ایس۔ سی کے امتحان سے فارغ ہو چکا تھا۔ اُس کا دل اتنے بڑے گھر میں اکیلے گھبراتا تھا۔ وہ جب بھی فارغ ہوتا ماں باپ کی یاد ستانے لگتی۔ اس لئے وہ اپنے تینوں دوستوں کے ساتھ مری اور ایبٹ آباد کے پہاڑی علاقے کی طرف چلا گیا۔ جہاں اُسے ذہنی سکون بھی میسر آیا اور تھکاوٹ بھی دُور ہو گئی دوستوں کی رفاقت میں وقت گزرنے کا پتہ بھی نہ چلا اور پھر ایک روز اُس کا رزلٹ بھی آگیا۔ اُس نے کالج بھر میں اوّل پوزیشن لے کر اپنے خالو کا سر اور بلند کر دیا تھا۔

ندیم۔ کاشف اور عثمان نے میڈیکل کالج میں اور خالد نے فوج میں کمشن لینے کی کوشش شروع کر دی چاروں دوست اپنے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

بزرگ ٹھیک کہتے ہیں کہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا' رواں دواں رہتا ہے۔ خالد نے کاکول میں دو سال گزارے۔ لیکن اُسے اس کا احساس تک نہ ہو سکا۔ اور پھر پاسنگ آوٹ پریڈ کا دن بھی آپہنچا۔ پریڈ کے بعد اُس کا دل خالہ کی ممتا بھری گود میں جانے کے لیے بُری طرح مچلنے لگا۔ اُس کا دل خوشی سے لبریز تھا جس میں یہ خوشی بھی شامل تھی کہ اب وہ اپنے عہد اور والد کی آخری خواہش کو پورا کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

اس کی خالہ اور خالو نے خالد کے اعزاز میں ایک بہترین پارٹی دی۔ جس میں شہر کے بڑے بڑے لوگوں کے علاوہ اُس کے تینوں دوست بھی موجود تھے۔ خالد اُن سے گھل مل کر باتیں کر رہا تھا۔ وہ بات بات پر مسکرا رہا تھا۔ بہن کے مرنے کے بعد آج خالہ نے پہلی مرتبہ اُسے یوں مسکراتے دیکھا تو اُن کا دل بلیوں اُچھلنے لگا۔

کچھ دنوں کے بعد خالد کو کمیشن مل گیا اور اُس کی بحیثیت سکینڈ لفٹیننٹ لاہور ہی میں تعیناتی ہو گئی۔ اچھی کارکردگی اور غیر معمولی ذہانت کی بنا پر تقریباً آٹھ ماہ بعد ہی خالد کا بحیثیت لفٹیننٹ ملتان تبادلہ ہو گیا۔

ملتان میں اُس کی خوش اخلاقی اور انتظامی صلاحیتوں کی خبریں اُس سے پہلے پہنچ چکی تھیں۔ اس کی یونٹ نے اُسے بڑے پُرتپاک انداز میں خوش آمدید کہا۔ اور وہ جلد ہی ان لوگوں میں گھل مل گیا۔ لیکن اُس کو ندیم۔ کاشف اور عثمان جیسا ایک بھی دوست یہاں نہ مل سکا۔ جب وہ دفتر سے فارغ ہو کر میس آتا تو اکثر اُداس ہو جاتا۔ اس لمحے وہ اپنے والدین کی یاد میں بھی کھویا ہوتا۔ وہ اکثر سوچا کرتا تھا کہ اگر وقت پر خالو اور خالہ ہاتھ نہ تھامتے تو وہ نہ جانے آج کہاں اور کس حال میں ہوتا۔ یہ سوچتے سوچتے اُس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آجاتے۔

خالد کو ملتان آئے ہوئے تقریباً دو سال ہو گئے تھے۔ ملک کے سیاسی حالات بگڑ رہے تھے۔ عوام میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ کشمیر میں بھارتی فوج قتلِ عام میں معروف تھی۔ مظلوم کشمیری صرف اسی امید پر لڑ رہے تھے کہ

لہو حیات کا مظہر لہو جہد کا نشان!!
لہو بہا ہے تو مظلوم سرخرو ہوں گے

مشرقی پاکستان کے حالات نازک موڑ پر پہنچ چکے تھے۔ ساری فوج کو آہستہ آہستہ سرحدوں پر بلایا جا رہا تھا۔ کچھ دنوں بعد خالد کو بھی کیپٹن کے عہدے پر ترقی دے کر سیالکوٹ کے محاذ

پر بھیج دیا گیا۔ محاذ پر جانے سے پہلے وہ اپنے والدین کی آخری آرام گاہ پر فاتحہ خوانی کرنے گیا۔

ایک دن مغربی سرحد پر بھی دشمن کے حملے شروع ہو گئے اور ہمارے دلیر اُن پر ٹوٹ پڑے۔ خالد بھی اپنے محاذ پر دشمن کے دانت کھٹے کر رہا تھا۔ ایک دن دشمن نے خالد کے مورچوں پر بڑا سخت حملہ کر دیا۔ ان پر قبضہ کر کے وہ پاکستان کے بہت بڑے علاقہ پر قابض ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ کامیابی کی صورت میں پاکستان کی مسلح افواج کے دفاعی منصوبے خاک میں مل سکتے تھے۔ خالد نے کم نفری کے باوجود دشمن کے حملے کا بڑی بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اُس کے ساتھیوں نے اس کی قیادت میں بہادری کے وہ کارنامے دکھائے کہ دشمن بوکھلا اٹھا اور اُس نے جنگ میں اپنی فضائیہ بھی جھونک دی۔ خالد اور اس کے سپاہیوں نے خطرات کی پروا کئے بغیر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ دفاعی جنگ پر مجبور ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں کے حوصلے اس صورتِ حال سے اور بلند ہو گئے۔ اور انھوں نے جوابی حملہ شدید کر دیا خالد اپنے وطن کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا چکا تھا۔ اتنے میں دشمن کے طیارے کی ایک باڑھ اس کے کندھے کو چھلنی کر گیا۔ اس نے ساتھیوں کو للکارا، "آگے اور آگے بڑھتے رہو" اور پھر یہ کہہ کر بے ہوش ہو گیا۔ اُسے فوراً ایک جیپ میں ڈال کر ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم اُس کے علاج معالجے میں لگ گئی۔ لیکن وہ اس کی زندگی سے مایوس تھے۔ ان کی لگاتار کوشش کے نتیجے میں وہ بیس گھنٹوں بعد ہوش میں آیا۔ اس کا پہلا جملہ تھا "میرے محاذ کا کیا حال ہے۔" اتنے میں ایک نوجوان ڈاکٹر نے اس کے قریب آکر کہا۔ "کیپٹن تمھارے ساتھی اب دشمن کے علاقے میں بڑھ رہے ہیں تم نے جنگ کا نقشہ پلٹ دیا ہے۔" یہ خالد کا دوست ندیم تھا جو ایمرجنسی خدمات انجام دینے کے لیے سیالکوٹ آگیا تھا۔ خالد نے اُسے غور سے دیکھا پھر مسکرا کر بولا، "سچ۔؟" ندیم نے کہا، "ہاں خالد تم نے ملک کی لاج رکھ لی۔" خالد نے کمزور آواز میں کہا، "تو پھر ٹھیک ہے۔ خدا کا شکر ہے ندیم! میں نے اپنا عہد پورا کر دیا ہے۔" پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

اے مردِ مجاہد

تنویر احمد، راول پنڈی

پڑھ لکھ کر تم بنو سپاہی
حق کی خاطر کٹ کے دکھاؤ

ٹیپو کی تلوار بنو تم!!
جھوٹ کے آگے سر نہ جھکاؤ

ملک کا روشن نام کرو تم
اُٹھو اور کچھ کر کے دکھاؤ

جب آؤ دشمن کے مقابل
شبنم سے شعلہ بن جاؤ

حق کی خاطر اُٹھو مجاہد
قوم کا بیڑا پار کراؤ

آج تک یاد ہے

محمد اقبال آرائیں، دادو

گرمیوں کے دن تھے۔ سب لوگ صحن میں پلنگ بچھا کر لیٹتے تھے۔ ایک مرتبہ سب لوگ بیٹھے ہوئے چوروں کے قصے سنا رہے تھے کہ باتیں سنتے سنتے ہم خوابوں کی دنیا میں کھو

گئے ۔ اب ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چور ہمارے مکان میں دیوار کے ذریعے داخل ہو رہا ہے ۔ اب یہ ہماری بہادری دکھانے کا وقت تھا ۔ کیوں کہ ہم گھر میں ڈرپوک مشہور تھے ۔ اور آج ہمیں یہ نقب والیس گھر والوں کو لوٹنا تھا ۔ ہم ایسے ہی دن کی تلاش میں تھے ۔ جب چور گھر میں داخل ہو گئے تو ہم بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیے ۔ چور کمرے میں داخل ہوا اور ہم بھی چھپتے چھپاتے وہاں پہنچ گئے ۔ چور نے الماری کا قفل جیسے ہی کھولا ہم نے فوراً اُس کی گردن پکڑ لی اور لگے اُس کی پٹائی کرنے ۔ جب اوپر ہم پر بھی پڑی تو ہماری آنکھ کھل گئی دیکھا تو ہم اپنی چارپائی کے بجائے بڑے بھائی کے کمرے میں ہیں اور وہ چلّا رہے ہیں ۔ اُوپر سے امّی ہم پر جوتوں کی بارش برسا رہی تھیں ۔ ہماری آنکھ کھلی تو ہم پر حقیقت بھی کھل گئی ۔

شمس العلما مولوی نذیر احمد

نجیب الرحمٰن غوری ، کراچی

ناول اُردو ادب کی اہم صنف ہے ۔ اس صنف کے بانی مولوی ڈاکٹر نذیر احمد دہلوی کو اُردو ادب میں جو مقام حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ۔

مولانا نذیر احمد ۱۸۳۱ء میں ضلع بجنور میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سعادت علی سے حاصل کی اور اس کی تکمیل دہلی کالج میں ہوئی ۔ اس کے بعد ۱۸۵۴ء میں درس و تدریس کے سلسلے میں پنجاب چلے آئے اور دو سال بعد ضلع کان پور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز ہو گئے ۔

تصنیف و تالیف مولانا نذیر احمد کا زندگی بھر مشغلہ رہا ۔ علم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ الہ آباد میں از خود انگریزی سیکھی اور تعزیرات ہند کا ترجمہ کیا ۔ "مراۃ العروس" لکھنے کے صلے میں انگریزی سرکار نے ایک ہزار رُپیہ نقد بطور انعام دیا ۔ ۱۸۹۷ء میں آپ کو "شمس العلما" کا خطاب ملا ۔ ۱۹۱۰ء میں پنجاب یونی ورسٹی نے ڈی ۔ او ۔ ایل اور اڈنبرا یونی ورسٹی نے ایل ۔ ایل ۔ ڈی کی اعزازی ڈگری دی ۔

مولانا کی قابلیت کا اندازہ ان کی تحریر کو دیکھ کر ہوتا ہے جس میں انہوں نے سادگی، شگفتگی اور بے ساختگی کو اس طرح سمو کر رکھ دیا ہے کہ ذہن اور پیچ محسوس نہیں کر سکتا ۔ عربی و فارسی کے الفاظ استعمال کرنے پر جو قدرت حاصل ہے اس کے بارے میں مرزا فرحت اللہ بیگ کا کہنا ہے کہ وہ اپنی تحریر میں عربی و فارسی کے نہ صرف روڑے بچھاتے ہیں بلکہ پہاڑ کھڑے کر دیتے ہیں ۔ وہ اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے منطقیانہ دلائل بڑی خوب صورتی سے پیش کر سکتے ہیں ۔

مولانا نذیر احمد کی تصانیف بہ کثرت ہیں جن میں ہر تصنیف اپنی زبان و انداز اور شہرت کے اعتبار سے انفرادی مقام رکھتی ہے ۔ اُن میں سے چند یہ ہیں ۔

مراۃ العروس، بنات النعش، رویائے صادقہ، توبۃ النصوح اور ابن الوقت وغیرہ ۔

ادبی خدمات کے علاوہ مولانا کی اور بھی کئی خدمات ہیں ۔ آپ علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی اور علی گڑھ تحریک کے سرگرم کارکن تھے ۔ اُردو ادب میں ناول نگاری کا آغاز بھی آپ ہی کی کاوشوں کا ثمر ہے ۔ قانون کی کتابوں اور قرآن مجید کا ترجمہ کر کے قوم کی بڑی خدمت کی ۔ مولانا کی یہ خدمات کبھی بھی فراموش نہیں کی

جا سکتیں۔ آپ کا انتقال ۳، مئی ۱۹۱۲ء کو ہوا۔

نونہال

بابر جمیل چوہان، اسلام آباد

صحت کے راز ہم کو بتاتا ہے نونہال
غنچہ ہمارے دل کا کھلاتا ہے نونہال
ہر چٹکلا مزے کا لطیفہ نرالا ہے
خوش رنگ موتیوں کی یہ دلچسپ مالا ہے
جاگو جگاؤ ہے کہیں بکھرے ہوئے ہیں پھول
دل کو بہار دیتا ہے اس کا ہر اک اصول
چاروں طرف ہے ملک میں دھوم اس کے نام کی
اس کی کہانیوں میں بھی باتیں ہیں کام کی
ہر اک کو زندگی کا بتاتا ہے راستہ
یہ شمع بن کے سب کو دکھاتا ہے راستہ

گیند کا راز

افشاں اختر، کراچی

انسپکٹر سجاد کے دو بچے تھے ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام نومی اور لڑکی کا نام نمی تھا۔ نمی اور نومی بہت سمجھ دار تھے۔ اپنے ابّو کے کام میں یہ بہت دلچسپی لیتے تھے۔ انسپکٹر کے پاس خطرناک سے خطرناک کیس آیا لیکن انہوں نے پرانے مجرموں کا سُراغ لگایا۔ آج اِن کے پاس ایسا کیس آیا تھا جس سے وہ بہت پریشان نظر آرہے تھے۔ نومی اور نمی کمرے میں داخل ہوئے۔

دونوں آداب کر کے بیٹھ گئے۔

پھر ایک نے پوچھا، آپ پریشان نظر آرہے ہیں۔" ہاں بیٹے میں بہت پریشان ہوں،" پریشانی کی کیا وجہ ہے ابّو ؟" نومی بولا۔ "ہاں، دراصل ایک عورت نے فرانس کے سب سے بڑے سیٹھ رچرڈ کی حویلی سے ایک لاکھ رُپے کی مالیت کے موتی چوری کر لیے ہیں۔" نمی بولی زیادہ تر مجرم آپ کو بندرگاہ پر ہی ملتے ہیں۔ کیا آپ بندرگاہ جائیں گے۔؟ اُن کے باپ نے۔ کل وہاں جانے اور انھیں بھی ساتھ لے جانے کا وعدہ کیا دونوں بچے بہت خوش ہوئے صبح ہوتے ہی دونوں تیار ہو گئے۔ اُن کے باپ نے ڈرائیور سے کار نکالنے کو کہا۔ ڈرائیور نے کار نکالی سب کار میں بیٹھ گئے۔ کار چل دی۔ انسپکٹر نے سادہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ یہ پولیس کا آدمی ہے۔ بندرگاہ پر پہنچ کر دیکھا کہ جہاز ابھی تک بندرگاہ پر نہیں لگا۔ انسپکٹر نے اپنی گھڑی میں دیکھا، جہاز آنے میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ بندرگاہ پر بڑی چہل پہل تھی۔ خدا خدا کر کے جہاز آیا۔ انسپکٹر نے مسافروں کو دیکھا کہ جو آہستہ آہستہ جہاز سے اتر رہے تھے۔ انسپکٹر نے دیکھا کہ ایک عورت کھڑی ہے۔ وہ عورت انسپکٹر کو کچھ پراسرار سی نظر آرہی تھی۔ اُس کے ساتھ ایک لڑکی بھی کھڑی تھی جس کے پاس ایک گیند تھی لڑکی گیند سے کھیل رہی تھی۔ گیند اُس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتی۔ ایک مرتبہ تو گیند سمندر میں گرتے گرتے بچی۔ اگر انسپکٹر گیند نہ اٹھاتا تو گیند سمندر میں چلی جاتی۔ اُس عورت کو بہت غصہ آیا اُس نے کہا۔ "میں نے تمھیں منع کیا تھا لیکن تم نہیں مانیں اگر گیند گر جاتی تو پھر۔؟" عورت نے انسپکٹر کا شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔ انسپکٹر بڑا حیران ہوا۔

اُس نے دل میں سوچا گیند کے لیے اُس عورت نے اپنی بچی کو کتنا ڈانٹا ہے۔ ہو نہ ہو اس گیند کے اندر ضرور کوی راز ہے۔ وہ اس عورت کو زبردستی اپنے دفتر لے گیا اور اُس عورت سے پوچھا کہ اس گیند کے اندر کیا ہے۔ لیکن اُس عورت نے سچ نہیں کہا۔

انسپکٹر نے جلدی سے میز پر سے چاقو اٹھایا اور اس سے گیند کو چیر ڈالا اس میں سے ہیرے جواہرات اور اصلی موتی نکلے انسپکٹر نے اُسے دھمکی دی کہ اگر تم نے نہیں بتایا کہ یہ موتی اور ہیرے جواہرات کس کے ہیں تو تمہیں سزا دی جائے گی دوسرے دن اخبار میں انسپکٹر اور اُس کے بچوں کی تصویر چھپی اور حکومت کی طرف سے انہیں بہت بڑا انعام بھی دیا گیا۔

چور نامہ

رضیہ خورشید ، کراچی

ہوئی آج ہم سے یہ کیسی حماقت
فرج ہم نے کھولا یہ کیوں بے اجازت
سُنا ہے کہ بجّو نے کی ہے شکایت
بُری ہے بُری ہے یہ چغلی کی عادت
بہت بھولی بھالی بڑی سیدھی سادھی
ہمارے لیے ہے یہ پرکالۂ آفت
سُنا ہے ملائی اڑانے چلے تھے
کسی سے نہیں لی تھی ہم نے اجازت
پڑی مار کمرے میں اب قید ہیں ہم
بھلا اس سے ہم چھوڑ دیں گے شرارت
یہ بچوں کا دن ہے ، بڑا عالمی دن
کہ بیٹھے بٹھائے ہی آئی ہے شامت
نہیں سہ پہر کو ملی چائے ، ہم کو
ہوئی اپنے لیے قید بامشقت ۔؟
ہمیں دے دو ٹافی کا ٹکڑا ہی رائی
بدن میں میرے آئے تھوڑی سی طاقت
خدا ہی ترس لائے امّی کے دل میں
خُدا بھیج دے اپنے قیدی پہ رحمت
میں امّی کا آئندہ مانوں گی کہنا !!
نہیں کی تھی توبہ ، اٹھائی مصیبت
میں ابّو کی جاں ہوں میں امّی کی پیاری
نہیں چاند جیسی میری کیا یہ صورت
جب ابّو سنیں گے تو ہنس ہی پڑیں گے
فرج سے منگائیں گے سامانِ فرحت
ہمارا یہی اب بھی نعرہ ہے بے بی
کریں گے ، کریں گے ، کریں گے شرارت

بنگلا دیش

سید شکیل جاوید ہاشمی ، کراچی

مسلم ممالک میں آبادی کے لحاظ سے دوسرا بڑا ملک اسلامی جمہوریہ بنگلا دیش دنیا کے نقشے پر ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو

ظاہر ہوا۔ اس کی آبادی سات کروڑ ستر لاکھ اور رقبہ ۵۵،۱۲۶ مربع میل ہے۔ ملک کا دارالحکومت ڈھاکہ ہے جو قدیم شہر ہے۔ یہ مسجدوں کا شہر بھی کہلاتا ہے۔ دوسرے

شہروں میں کھلنا، چٹاگانگ، میمن سنگھ، نارائن گنج اور راج شاہی قابل ذکر ہیں۔ بنگلا دیش کے سربراہ مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الرحمن ہیں۔ سرکاری زبان بنگلا ہے۔ اردو بھی سمجھی جاتی ہے۔

بنگلا دیش کا پرچم پورے ہرے رنگ کا ہے۔ اس کے بیچ میں ایک گول حصہ لال رنگ کا ہے۔ یہ پاکستان کا ہمسایہ ملک ہے۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے بہ حیثیت وزیر اعظم بنگلا دیش کا سرکاری دورہ بھی کیا۔ اس طرح دونوں ممالک کے تعلقات کی راہ ہموار ہوئی۔ اور سفارتی تعلقات بھی قائم ہوگئے۔

بنگلہ دیش کے لوگ بڑے ذہین ہوتے ہیں۔ ان کا رنگ سانولا اور قد چھوٹا ہوتا ہے۔ مچھلی اور چاول ان کی من بھاتی غذا ہے۔ یہاں کے لوگوں کی غذائی ضروریات کے پیش نظر حکومت بنگلا دیش کو کافی چاول دوسرے ممالک سے درآمد کرنا پڑتا ہے یہاں کے زیادہ تر لوگوں کا پیشہ کھیتی باڑی ہے۔ یہاں کے بچے بچپن ہی سے کشتی چلانا سیکھ جاتے ہیں اور مچھلیاں بھی پکڑتے ہیں بنگلا دیش میں دریاؤں کا جال بچھا ہے۔ یہاں کی سب سے اہم صنعت پٹ سن ہے۔ دنیا کا تقریباً 3/4 حصہ پٹ سن بنگلا دیش ہی پیدا کرتا ہے۔ لکڑی بھی برآمد کی جاتی ہے۔ پٹ سن کے علاوہ ملک میں چاول، تمباکو، گنا اور چائے کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ پٹ سن کے کارخانے ملک میں جگہ جگہ موجود ہیں۔ جن میں ٹاٹ، بوریاں، کینوس اور رسے وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ کاغذ بنانے کا کارخانہ چندر گونا کے مقام پر کرنافلی پیپر مل کے نام سے موجود ہے۔ اخباری کاغذ اور گتہ بنانے کے کارخانے کھلنا میں ہیں۔ کپڑا اور مشنری دوسرے ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے ملک کی دو بندرگاہیں ہیں۔ ایک چٹاگانگ اور دوسری چالنا۔

بنگلا دیش میں پانچ یونی ورسٹیاں ہیں۔ اور دیگر تعلیمی ادارے بھی ملک میں جا بجا موجود ہیں۔ یہاں کے لوگ محنت کش اور مذہب کے پابند ہیں۔ سرکاری مذہب اسلام ہے۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی یہاں آباد ہیں۔

بنگلا دیش میں بارش کافی ہوتی ہے۔ سال کے بیشتر مہینوں میں بارش ہوتی رہتی ہے۔ یہاں کے بعض علاقوں میں ۲۰۰ انچ سالانہ سے زائد بارش ہوتی ہے۔ سہلٹ میں مشہور صوفی بزرگ "شاہ جلال" کا مزار ہے۔

پیار کی پیاس

سلمیٰ پروین صدیقی، کراچی

کھنکتے قہقہوں کی مترنم آواز اس کے کانوں میں گونجی وہ چلتے چلتے رک گئی۔ ایک ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے کے اندر سے چند ہنستے چہرے نظر آئے۔ وہ رشک سے ان چہروں کی طرف دیکھنے لگی اچانک تقریباً اس کی ہم عمر لڑکی جھونپڑی سے نکلی۔ اس نے دیکھا معمولی سوتی لباس میں بھی وہ بہت خوش نظر آرہی تھی۔ لڑکی اس کے سفید براق کپڑوں کو مسلسل دیکھ رہی تھی۔ وہ دل میں ہنسی اور بولی۔ "میرے سفید بے داغ کپڑوں کے اندر میرا دل کتنا دکھی ہے۔ دکھوں کے کانٹوں نے اسے کیسے تار تار کر دیا ہے اس غریب

لڑکی کو کیا پتا۔؟"

اس نے لڑکی سے نظریں ہٹالیں اور اندر دیکھنے لگی۔ ایک چٹائی پر تھوڑا سا کھانا رکھا تھا اور افراد کی تعداد کھانے کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔ وہ ایسی کھوئی ہوئی تھی کہ اسے خیال بھی نہ رہا کہ وہ لڑکی اسے برابر دیکھے جا رہی ہے۔ "بھوکی ہو۔؟" اس لڑکی نے سوال کیا۔ اس نے شرمندہ ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ جیسے اس نے اس کی چوری پکڑ لی ہو۔

"بابا یہ آج ہماری مہمان ہیں۔" اس کی آواز گونجی۔ تب ہی سب نے اس کی طرف دیکھا۔ بابا نے اسے بلایا اور کہا بیٹی جو بھی ہے اس میں تم بھی شریک ہو جاؤ۔ اس نے ان کے کھانے کی طرف دیکھا جو صرف پانچ چھ روٹیوں اور تھوڑے سے سلاد پر مشتمل تھا۔ اس کا ذہن اپنے گھر کی ڈائننگ ٹیبل کی طرف گھوم گیا جہاں طرح طرح کی ڈشیں موجود ہوتی ہیں لیکن اس کی ممی کو پھر بھی صحیح غذا نہ ملنے کی شکایت رہتی ہے۔ اس نے لڑکی کی ماں کی طرف دیکھا جو اس کے چھوٹے بھائی کو بڑی محبت سے کوئی چیز کھلا رہی تھی۔ اور اس کی ممی انھیں تو کلب اور پارٹیوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ کاش اس کی ممی بھی اس عورت کی طرح سادہ ہوتیں۔

"تمہارا گھر کہاں ہے بیٹی۔؟"

بابا کی شفیق آواز گونجی۔ "بیٹی" کتنا پیار ہے اس لفظ میں اور کتنا پیارا ہے یہ انداز! "تم نے بتایا نہیں بیٹا۔" بابا نے پھر پوچھا۔

"سوسائٹی میں" وہ پہلی دفعہ گویا ہوئی۔ "بہت بڑا ہوگا نا تمہارا گھر۔" لڑکی کے چھوٹے بھائی نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ "بہت بڑا" اس نے جواب دیا۔ ہمارے سرونٹ کوارٹر بھی تمہارے جھونپڑے سے بڑے ہوں گے۔ لیکن تمہارے دل اس سے بہت بڑے ہیں۔"

اس نے بابا کی طرف دیکھا جو سراپا شفقت تھا۔ باپ کا یہ رُخ اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ اُسے آج احساس ہوا تھا کہ باپ کس شفقت کے مجسمے کا نام ہے۔ وہ تو اس سے پہلے باپ کو ایک مشین سمجھتی تھی جو ٹائم ٹیبل کے مطابق کام کرتا ہے۔ جس کے لیے کار باری مصروفیتیں بچوں پر توجہ سے زیادہ اہم ہیں وہ رُپے کو خدا مانتے تھے۔ کتنی دفعہ ایسا ہوا کہ وہ بیمار پڑی اور اس کے ہونٹوں پر صرف ابّو کا نام تھا مگر انھیں اتنی فرصت کہاں۔ پیسے تھما دیئے اور چل دیئے۔ پانچ منٹ سے بھی کار بار کا نقصان ہو جاتا ہے نا۔"

کاش یہ ایک دفعہ پھر مجھے بیٹا کہہ کر پکارے اور میں اس کے سینے سے لگ جاؤں جہاں صرف شفقتِ پدری ہے۔ اس کے دل میں ایک خواہش ابھری۔ مگر کیا یہ ایسا کرے گا۔ اور پھر وہ اس تمنا کا اظہار کیے بنا بھی نہ رہ سکی۔ اور پھر چند لمحوں کے بعد سب کے چہرے حیرت زدہ تھے۔ بابا سوچ رہا تھا کہ "کیا اس لڑکی کو کبھی باپ کی محبت نہیں ملی۔؟" ماں سوچ رہی تھی کہ "اس امیر زادی کو کیا ہوا ہے؟" اور وہ لڑکی فخریہ انداز میں سوچ رہی تھی کہ میرا بابا کتنا اچھا ہے۔ خوشیاں صرف محلوں کی میراث نہیں ہوتیں یہ کٹیا میں بھی بسیرا کرتی ہیں۔

اور وہ سب سے الگ بابا کے جواب کا انتظار کر رہی تھی اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے کہ جیسے نہ جانے کتنے لمبے سفر کے بعد کنوئیں کے پاس آئی ہے اگر اس سے پانی نہ ملا تو.....

اس کے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی اور بابا کو جو کسی سوچ میں گم تھا

جھنجھوڑتے ہوئے بولی، "بابا جواب دو نا مجھے بیٹی بناؤ گے نا۔"
اور بابا چپ نہ رہ سکا، "میری پوری چار بیٹیاں ہیں اگر اللہ نے ایک اور دے دی تو احسان مند ہوں بیٹا!" اور وہ بابا کے بازوؤں میں جھول گئی۔ کتنا سکون ملا تھا اسے یہاں۔ دفعتہً بابا نے کہا، "چلو بیٹا! میں تمہیں چھوڑ آؤں۔"

مگر وہ تو پیار اور شفقت کے اس ساگر میں جو بابا کے وسیع دل میں بہتا تھا کبھی نہ اُبھرنے کے لیے ڈوب چکی تھی۔

کون ہے وہ؟

شیدائے شفق، کراچی

تم بھی بوجھو ایک پہیلی
پیاری سی ایک اپنی سہیلی

پاس آئے وہ روز ہمارے
گیت سُنائے پیارے پیارے

لوری اچھی اچھی سُنائے
جو کچھ پُوچھوں مجھ کو بتائے

سب کے گھر ہے اس کا پھیرا
آنکھوں میں ہے اس کا ڈیرا

وہ آئے تو راحت پاؤں
آنکھیں موندوں اور سو جاؤں

مطلب تو تم جان گئے ہو
کون ہے وہ پہچان گئے ہو

*

بہادر لڑکا

اظہر محمود اعوان، راول پنڈی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بغداد میں بہت سے ڈاکوؤں نے اودھم مچا رکھی تھا۔ لوگ اِن ڈاکوؤں سے بہت تنگ آ چکے تھے حتیٰ کہ بغداد کے حاکم تک نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص ان ڈاکوؤں کا سراغ لگائے گا اُسے پانچ سو اشرفیاں بطور انعام عطا کی جائیں گی۔

اسی شہر میں ایک بہت بڑا تاجر رہتا تھا جس کا سب سے چھوٹا بیٹا عامر بہت دلیر تھا۔ ایک دن اِن ڈاکوؤں نے اس تاجر کے گھر میں ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنایا۔ چناں چہ رات کے پچھلے پہر جب گھر کے تمام افراد گہری نیند سو رہے تھے۔ ڈاکو دیوار پھلانگ کر صحن میں داخل ہو گئے اور قیمتی سامان کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔

اتفاق سے عامر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے معاملے کی نزاکت کو بھانپ کر چپکے سے ڈاکوؤں کی آنکھ بچا کر گھر سے باہر ایک جھاڑی کی اوٹ میں پناہ لی اور تہیہ کر لیا کہ اِن ڈاکوؤں کو وہ مزا چکھائے گا کہ اِن کو بھی ہمیشہ یاد رہے گا۔"

جب ڈاکوؤں نے مال پر ہاتھ صاف کر کے اپنے گھر کی راہ لی تو عامر بھی چپکے سے ان کے پیچھے ہو لیا۔ جب وہ شہر سے باہر ایک ویران حویلی کے پاس پہنچ کر رک گئے اور سامان بحفاظت اندر رکھ کر کھانا کھا کر سو گئے تو وہ واپس شہر آیا اور سیدھا حاکم بغداد کے پاس پہنچ کر اُسے تمام ماجرا سنایا۔ چناں چہ فوراً سو سپاہیوں کی ایک بھاری جمعیت اُس کے ساتھ روانہ کر دی گئی جنہوں نے حویلی کا محاصرہ کر لیا۔ اور ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے اُن کے

قبضہ سے وہ تمام مال بھی برآمد کر لیا جو وہ اب تک لوٹ چکے تھے۔ اس طرح عامر کی حاضر دماغی اور جرات سے نہ صرف یہ کہ اُسے اپنا مال واپس مل گیا۔ بلکہ اس کے صلے میں بادشاہ سے بھی بہت سا انعام واکرام ملا۔ اور لوگوں کی دعائیں الگ اس کے شاملِ حال ہوئیں۔ اس دن سے لوگوں کو شکھ اور چین کی زندگی بسر کرنی نصیب ہوئی اور عامر کی بہادری کا قصہ تمام لوگوں میں مشہور ہو گیا۔

سُورج

محمد خالد فدائی بلوچ، پیشکان مکران

سورج نکلا تارے غائب
تارے غائب سارے غائب
نُور کی اک قندیل ہے روشن
جب سے اُجڑا رات کا گلشن
دھرتی گھومے اس کے آگے
چَندا اس انداز سے بھاگے
صحنِ فلک میں کتنا روشن
سورج ہے یا نُور کا مخزن
نکلیں اس سے نُور کی کرنیں
گویا برقِ طُور کی کرنیں
گرمی دینا کام ہے اس کا
جاری فیضِ عام ہے اس کا
روشن رہنا فطرت اس کی
آگے بڑھنا عادت اس کی

*

مُساواتِ اسلام

شہلہ یوسف زئی۔ اسلام آباد

حضرت سلمانؓ فارسی نہایت قوی ہیکل وجیہہ اور بے حد بارُعب تھے۔ بیت المال سے آپ کو چار ہزار درم ملتے تھے۔ لیکن آپ اِن کو غربا اور مساکین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اور خود اپنے ہاتھ کی کمائی پر بسر اوقات کرتے تھے۔ جب آپ مدائن کے حاکم تھے۔ اس زمانے میں بھی کھجور کی چٹائیاں وغیرہ بنا کر معاش پیدا کرتے تھے۔

آپ کے پاس صرف ایک عَبا تھی۔ جس کا آدھا حصّہ بچھاتے اور آدھا اوڑھتے تھے۔ عمر بھر مکان نہ بنایا جہاں موقع مل جاتا کسی مکان کے سائے میں پڑ رہتے۔

ایک دن آپ نے خادم کو کسی کام کے لیے کہیں بھیجا اور خود آٹا گوندھنے لگے۔ ایک شخص آیا۔ اس نے آپ کو دیکھ کر کہا، "آپ کا خادم کہاں ہے؟" آپ نے جواب دیا، "اس کو ایک ضروری کام کے لیے بھیجا ہے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اس پر دو کام کا بوجھ ڈالوں، اس لیے ایک کام میں خود کر رہا ہوں۔ پھر اس میں حرج ہی کیا ہے۔"

سیلاب کی تباہ کاریاں

الطاف علی محمد علی، حیدر آباد

کُرۂ ارض پر موسمی حالات کے باعث جابجا بارش ہوتی رہتی ہے یہ بارش جب پہاڑی علاقوں میں ہوتی ہے تو وہاں سے بارش کا پانی پہاڑی نالوں سے بہہ کر اس تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا ہے کہ راستے کی ہر چیز کو بہا کر لے

جاتا ہے۔

ہمارے ملک پاکستان میں بھی صورت حال کچھ اس قسم کی ہی ہے، یہاں کے پہاڑی علاقوں میں موسلا دھار بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ جو مسلسل کئی روز تک جاری رہتی ہیں جس کے باعث بارش کا پانی ملک کے جنوب مغربی حصّے میں آنے لگتا ہے پانی کی زیادتی کی وجہ سے دریاؤں کے ذریعے اس کی نکاسی سست پڑ جاتی ہے اور پانی دریاؤں کے کناروں سے نکل کر بہنے لگتا ہے اسی کو سیلاب کہتے ہیں۔

سیلاب کا پانی دریاؤں میں سے بہہ کر جب آبادی والے علاقوں میں پہنچتا ہے تو زبردست تباہی مچا دیتا ہے گاؤں یا شہروں میں لوگ رات کے وقت سوئے پڑے ہوتے ہیں کہ اچانک سیلاب کا پانی آلیتا ہے۔

لوگوں کو اپنا مال و اسباب بچانے کی کوئی مہلت بھی نہیں ملتی۔ مال تو کیا اُن کے لیے اپنی جان بچانا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بچے، عورتیں، بوڑھے اور بیمار لوگوں کے ساتھ ساتھ نوجوان بھی ڈوب کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

جو زندہ بچ جاتے ہیں انہیں اور بھی زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ راستے کٹ جاتے ہیں کھانے پینے کا سامان ڈوب جاتا ہے۔ چاروں طرف سیلاب کا پانی گھیرے میں لیے ہوئے ہوتا ہے ایسے میں کوئی شخص کسی اونچے سے درخت یا ٹیلے پر جان بچا کر آخر کتنے روز تک زندہ رہ سکتا ہے جب کہ باہر سے کسی امداد کا امکان ہی کم ہو اور وہاں درخت پر بارش یا گرمی اور دھوپ کے علاوہ اسے سیلاب کے پانی میں موجود سینکڑوں سانپوں اور دوسرے جانوروں کے کاٹنے کا خطرہ بھی۔

ایسے میں فوج کے جوان، قومی رضاکار اور شہری دفاع کی امدادی پارٹیاں اِن لوگوں کی مدد کرتی ہیں۔

جب سیلاب کا پانی شہروں اور گاؤں کی طرف بڑھتا ہے تو انسان ڈوب جاتے ہیں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مویشی بہہ جاتے ہیں اور ہرے بھرے کھیت اور تیار فصلیں غرق ہو جاتی ہیں پھر جب سیلاب کا پانی کم ہونے لگتا ہے تو کئی قسم کی بیماریوں کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں جن کے باعث مہلک اور خطرناک قسم کے وبائی امراض پھیل جاتے ہیں جن کی وجہ سے ہر طرف تباہی پھیل جاتی ہے۔

عید کا چاند

فراست علی، کراچی

ہر سمت خوشی چھائی
ہر دل میں بہار آئی
وہ چاند نظر آیا

رحمت کی نشانی ہے
دنیا پہ جوانی ہے
وہ چاند نظر آیا

غم بھول بھی جائیں ہم
پھر دل میں نہ لائیں ہم
وہ چاند نظر آیا

کل عید منائیں گے
اک دھوم مچائیں گے
وہ چاند نظر آیا

رمضان المبارک

مرسلہ: محمد صغیر اعوان، چانبل سرگودھا

دو ہجری میں مدینہ شریف میں روزے فرض ہوئے اللہ تعالےٰ نے رمضان شریف کو دوسرے مہینوں پر ایسی ہی فضیلت عطا فرمائی جیسا کہ بعض دوسری چیزوں کو دی مثلاً کتاب اللہ کو باقی کتابوں پر حضورؐ کو باقی نبیوں پر، مکہ شریف کو باقی شہروں پر اور امت محمدیہ کو باقی امتوں پر یہی وجہ ہے کہ اس مہینے میں نفلوں کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی اکرمؐ نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے دن کو روزے رکھے گا، رات کو نماز پڑھے گا اللہ تعالےٰ اس کے پہلے گناہ معاف کر دیں گے۔" ہر عمل کا بدلہ مقرر ہے روزہ کا بدلہ بے حساب ہے اسی لئے نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں "روزہ میرے لیے ہے اور پھر اس کا بدلہ میں خود دیتا ہوں۔" اس مہینے میں ایمان کی تقویت اور مضبوطی کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے۔ پورے دن میں بھوک پیاس اور بعض دوسری حاجات کے سامنے حکم الٰہی کا بند بندھا ہوتا ہے جو غیر محسوس اور بے حد مضبوط ہے۔ تنہائی ملتی ہے، کھانے پینے کے مواقع ملتے ہیں لیکن مومن اپنی قوت ارادی اور قوت ایمانی کے زور سے ایسے ہر موقع پر صبر کا مظاہرہ کرتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی قوت ارادی اور قوت ایمانی دونوں میں بیک وقت اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ روزہ آدمی میں پرہیزگاری اور ہر حالت میں شرافت و دینداری پیدا کرتا ہے پرہیزگاری

سے مراد یہ ہے کہ انسان خدا تعالےٰ اور اس کے رسول کی منع کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرے اور ان کے احکام کی پابندی کرے۔ اس طرح ہر وقت ایک تازہ احساس انسان پر چھایا رہتا ہے کہ اس نے خدا کے حکم کی پابندی کر رکھی ہے۔ اور خدا کے حکم کے ساتھ ساتھ شیطان کی پیروی ممکن نہیں ہے۔ اس طرح روزہ ایک پہرے دار بن کر احساس و شعور پر کھڑا ہو جاتا ہے اور اسے ہر لمحہ ہر بد عمل سے بچاتا ہے۔ جب یہ احساس اور پہرے داری پورا ایک مہینہ جاری رہتی ہے تو وہ ایک عادت کی صورت اختیار کر جاتی ہے اور چوں کہ یہ کام اسے تنہا نہیں کرنا پڑتا ہے بلکہ چاروں طرف اس کے دینی بھائی یہ کام کر رہے ہوتے ہیں اس لیے پرہیزگاری کی ایک خاموش اور پاکیزہ فضا بن جاتی ہے۔ حضور اکرمؐ نے روزے کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا جس کسی نے جھوٹ پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو اس کا کھانا اور پانی چھڑا دینے کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

حضورؐ اکرم نے فرمایا روزہ مومن کے لیے گناہوں کے مقابلے ڈھال کی مانند ہے۔ ڈھال اس طرح کہ جب انسان غیر منصفانہ بات کرے تو اسے روزہ یاد آجائے کسی سے زیادتی کا ارادہ کرے تو اسے روزہ یاد آجائے۔ کوئی غلط بات کہنے کا ارادہ کرے تو اسے روزہ یاد آجائے اور ہر موقع پر جب کوئی برائی اس

کے سامنے آئے فوراً روزہ کا خیال اُسے بُرائی سے بچائے ۔ اسی طرح جب کوئی شخص روزے سے ہو تو اُسے چاہیے کہ شر، فساد اور دوسری بُرائیوں سے پرہیز کرے ۔ اگر کوئی شخص اُس کو گالی دے یا اُس سے لڑائی کرے تو کہہ دے کہ بھائی میں روزے سے ہوں ۔ مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ تمھارے اس مشغلے میں حصہ لوں گا ۔ روزے سے اخلاق کی حفاظت، نفس کی تربیت اور روح کی پاکیزگی پیدا ہوتی ہے ۔ ایک مسلمان روزے کی حالت میں صرف کھانے پینے ہی سے نہیں رُکتا بلکہ دوسری بُری خواہشوں سے بھی خود کو روک لیتا ہے ۔ اس لیے چغلی، جھوٹ بولنے، گالی دینے، بے حیائی کی باتیں کرنے، گلہ کرنے، غیر عورتوں پر نگاہ ڈالنے سے پرہیز کرنا چاہیے ۔

روزہ جسمانی بیماریوں کا علاج بھی ہے، روزہ رکھنے سے بھوک اور پیاس برداشت کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے ۔ حقیقی روزہ وہ ہے جو جسمانی کے ساتھ ساتھ قلبی بھی ہو ۔ مثلاً جسمانی روزہ یہ ہے کہ ہر عضو روزے سے ہو، آنکھ بری چیز نہ دیکھے، کان بُری بات نہ سنے، زبان بُری بات نہ کہے، ہاتھ غلط کام نہ کریں پاؤں بُری یا غلط جگہ کے لیے نہ اٹھیں ۔ دماغ بُرے خیالات نہ سوچے ۔ قلبی روزہ وہ ہے جس میں روزے دار کو اپنی خواہشات پر پوری پوری طرح قابو ہو ۔

دل چسپ اور عجیب

مرسلہ : حمیرا حمید، ملتان

• جب ایٹم بم پھٹتا ہے تو اُس کی قوت حرارت کا صرف ۱/۱۰۰۰ حصہ استعمال ہوتا ہے ۔ باقی فضا میں اُوپر اُٹھ جاتا ہے ۔

•• دوڑ میں تیز رفتاری کا انسانی ریکارڈ ۲۳ میل فی گھنٹہ ہے ۔

•• کچھوا ۴ گھنٹوں میں ایک میل چلتا ہے ۔

•• کاڈ مچھلی ایک وقت میں ۳۰ سے ۵۰ لاکھ انڈے دیتی ہے ۔

•• ننھی چڑیوں کے نبض کی رفتار انسانی نبض کے مقابلے میں ۱۲ گنا زیادہ ہوتی ہے ۔

•• اسحاق نیوٹن (مشہور سائنس داں) کا ایک شکستہ دانت ۱۴۶۰۰ روپے میں فروخت ہوا تھا ۔

•• سیکوئی نامی دیو قامت درخت کے تین ہزار بیجوں کا وزن کل ایک اونس ہوتا ہے ۔

•• دنیا کا سب سے بلندی پر اُگنے والا درخت لارک سپر ہے ۔ یہ ہمالیہ کی ۲۵ ہزار فیٹ بلند چوٹی "کنچن جنگا" پر پایا گیا ہے ۔

•• مدغاسکر (افریقہ) کی ملکہ کا تابوت چاندی کے ۳۰ ہزار ڈالروں کو جوڑ کر تیار کیا گیا تھا ۔

•• احمد آباد (بھارت) کا ایک سادھو، کرشنا چھوٹے ۱۰۹۵ راتوں تک کانٹوں کے بستر پر سوتا رہا ۔

معلوماتِ عامّہ ۱۳۵ کے صحیح جوابات

جولائی ۱۹۷۷ء کے ہمدرد نونہال میں معلوماتِ عامّہ ۱۳۵ کے جو سوالات شائع ہوئے تھے ان کے صحیح جوابات یہ ہیں ۔

۱۔ غزوۂ بدر پہلا غزوہ تھا ۔
۲۔ سطحِ سمندر سے سب سے زیادہ اونچا مُلک تبّت ہے ۔
۳۔ پاکستان سُپریم کورٹ کے پہلے چیف جسٹس جناب جسٹس میاں عبدالرشید تھے ۔
۴۔ پاکستان میں جب دن کے بارہ بجتے ہیں تو سعودی عرب میں صبح دس بجے کا وقت ہوتا ہے ۔
۵۔ مشہور مُورّخ ابنِ بطُوطہ کا تعلق مَراکش سے تھا ۔
۶۔ "وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں" یہ مشہور نعت مولانا ظفر علی خان کی لکھی ہوئی ہے ۔
۷۔ دنیا کے سب سے گنجان آباد ملک کا نام مناکو (MONACO) ہے جس کی آبادی ۶۲۵۵۹۶۵ء۳ افراد فی مربع میل ہے
۸۔ خلافتِ راشدہ (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے حضرت علیؓ تک) کی مدّت خلافت ۲۹ سال ہے ۔
۹۔ برطانیہ کی سب سے قدیم یونی ورسٹی آکسفرڈ ہے ۔ یہ ۱۱۶۷ء میں قائم ہوئی ۔
۱۰۔ روشنی کی رفتار ۱۸۶۲۸۰ میل فی سیکنڈ ہے ۔

صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

سید مظہر علی — شہداد پور
الطاف قادر — میاں والی
راجا محمد ریاض الرحمان، ہری پور ہزارہ
حفیظ الرحمان — بہاول نگر
سید اعجاز حیدر رضوی — ضلع ٹھٹھہ
نعیم احمد ندیم قریشی۔ ڈیرہ غازی خاں

ضلع مظفر گڑھ

محبوب حسین
مقبول حسین
محمود حسین
لاڑکانہ
سید ثمر اقبال
عبدالرؤف آرائیں

پرانا سکھر

محمد اسلم خان دُرّانی
افتخار برنی
محمد طاہر
میر پور خاص
خرّم اقبال
آنسہ فرحت جبیں
بنتِ زہرہ
ثمر علی زیدی
اوصاف احمد
آنسہ نگہت یاسمین
محمد نعیم مَلِک

حیدر آباد

شفاعت حمایت خاں
ندیم افتخار
شانِ رضا
جمیل احمد خان
شجاعت حمایت
شائستہ حمایت خان
سید انور علی
اسد علی رحمت علی
علیق احمد فخری

کراچی

محمد رؤف اقبال
عرفان احمد انصاری
اسد اسماعیل
آنسہ ثمینہ عزیز
حمیرا اظہر
ریاض عزیز
محمد زاہد حسین
عامر رحمان خان
شاہ محمد یحییٰ المنصوری
سید شفقت رضا بزمی
محمد فاروق میمن
فیاض احمد
عبدالستار پنجابی
کامران
تنویر احمد خان عبدالستار خان
عبدالجبار
جاوید شمیم صدیقی
احمد ندیم نجمی
کلیم فیروز خان
محمد شوکت علی
سبینہ عارف
محمد قاسم
عارف ذکریا
شاہد احمد صدیقی

آنسہ شازیہ ظفر
آلِ زہرہ

ارشد رفعت
تبسم عزیز

احمد افضال

صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

اظفر صدیقی۔ کراچی | عابدہ سلطانہ لکی، کراچی | سید ممتاز حیدر رضوی، ٹھٹھہ | انیس کنول کرن، کراچی | سمیع الدین، کراچی

کھتری رحمت اللہ شاہین سعید آباد | عبدالجبار، کراچی | زاہدہ سلیمان، کراچی | عبدالقیوم، کراچی | ایس اعجاز حیدر رضوی (نکلی ٹھٹھہ)

انوار احمد، کراچی | النس مصطفیٰ، کراچی | محمد عثمان بلو، کراچی | آفتاب، کراچی | محمد شاہد حامد، کراچی

ایس انجم، کراچی | ملک آفتاب احمد ماتسوی، کراچی | صابر علی۔ پرانا سکھر | محمد اسد خان، کراچی | احمد صدیقی، کراچی

مسعود عظیم قدوائی، کراچی | سید مبین الحسن، کراچی | ابوبکر فیاض، کراچی | معین الدین، لانڈھی | محمد افسر قریشی، حیدرآباد

محمد جہاں زیب، کراچی | مزمل سلطان خان، پرانا سکھر | طلعت خان زادی | محمد سلیم ملک، میرپور خاص | سید نوید حسین، کراچی

محمد اقبال ممونکانی، حیدرآباد | الطاف عبدالکریم تولا، کراچی | محمد اقبال یونس، کراچی | عبدالستار حاجی محمد، کراچی | محمد اسلم، کراچی

قمر عالم قریشی، شہداد پور | خواجہ مسرور حسن بابر، کراچی | ندیم احمد، کراچی | محمد نعیم صدیقی، کراچی | سید سعید جعفر عابدی، کراچی

کھتری محمد یٰسین ٹنڈو الہ یار | فرخ انیس، کراچی | محمد فاروس سہیل، کراچی | ایم مغیث اکوزئی، کراچی | سید منصور طارق زیدی، کراچی

سعید احمد، کراچی	شہزاد الماس عابدی، کراچی	جاوید شریف، کراچی	محمد فاروق، کراچی	سید انصار حیدر رضوی مکلی، ٹھٹھہ

مسرور شریف، کراچی	سید اظہر علی زیدی میرپور خاص	محمد یعقوب، ٹنڈو الہ یار	جورج، کراچی	نوید سعید، کراچی

عاصم شریف، کراچی	قمر اقبال، لاڑکانہ	فہیم احمد خان، لاڑکانہ	سید گوہر مصطفےٰ، کراچی	فضل منصور، کراچی

ایک غلط جواب بھیجنے والوں کے نام

عرفان کریم جسکانی۔ ڈیرہ غازی خان
محمد نذر الاسلام ٹنڈو جام
محمد سلمان جاوید سوئی گیس فیلڈ
ساجد رشید ناگرا لائل پور
نعیم الحسن بدر ملتان
ذوالفقار حمید لودھی، ہری پور ہزارہ
آنسہ نغمہ شہناز قریشی۔ کنری

نصیر احمد شیخ شیدائی
سید حماد رضا زیدی
حسن جلیل احمد
محمد اقبال انصاری
عبدالحئی ایس دل
زاہد علی
نواب شاہ

جیکب آباد میر ضمیر حسین
جھنگ شہر ایم شفیق قادر
وزیر آباد **کوٹری**
ٹنڈو جان محمد ارشاد احمد
گوٹھ ڈینگارو ندیم احمد ملک
ٹنڈو آدم رفیع الدین

جمیل الرحمان ظاہر۔ سیال کوٹ

سیال کوٹ

جمیل الرحمان طاہر
ایس۔ اے فاروق
زبیر رشید بھٹی

رحیم یار خاں

ذوالفقار علی شاہین
محمد انیس احمد
محمد ادریس احمد
مظہر الحق کلیم رانا
ملک عبدالجبار نجمی

ٹوبہ ٹیک سنگھ

عبدالحنان ارشد
انجم بشیر
محمد ذوالفقار ضیا
محمد سرفراز ضیا
خالد نعیم
محمد افتخار ضیا

سکھر

آفتاب اقبال
جاوید خورشید
عرفان خورشید
سلیم خورشید
امجد خورشید
لیاقت خورشید
افتخار خورشید

رُخسانہ قیصر
دل شاد خورشید
سید سجاد علی تبسم
سید شہزاد علی جذباتی
افتخار کلیم
توقیر حسن

میرپور خاص

سیدہ فائزہ بانو
سید حیدر علی
سیدہ حمیرہ بانو
سلیم اختر
ملک محمد اسحاق خان راہی

لاہور

حافظ مظفر محسن
شبلی رانی
بابر اشریف
رفعت انجم
شاہد شباب
وسیم اللہ ہاشمی

حیدر آباد

افضل حسین
پرنس ظہور احمد شاہین
سید طارق حسین
حبیب اللہ

سید محمد علی
محمد نعیم گلزار
طارق اعوان
سید محمد اقبال
حسین شیخ
سعد اللہ
عبدالحفیظ خان
سید جاوید حسین زیدی
سید حسن رضا زیدی
عدنان بن داؤد
سارہ حمید
طارق حسین قریشی
ارشد وحید
شروت نسیم مجید
کے سعید احسن شیدائی
وسیم اللہ ہاشمی
محمد شعیب انصاری

کراچی

سید اظہر الدین
سرور اقبال
ناز امیر
ندیم اللہ
جاوید رحمت
عمران احمد انصاری

کراچی

محمد طارق اقبال
رفعت اقبال
الماس
رضوان احمد انصاری
شکیل احمد، کانپوری
محمد ذکا فیروز
خالد حفیظ
محمد طیب ریحان
عبدالسلیم قریشی
محمد سلیم اقبال شمس
محمد ساجد
سید نقی حیدر زیدی
فرزانہ انصاری
انتخاب الفت
حبیبہ شرف علی
ریاض احمد
علی رضا شاد
سید ظلِ عسکری
محمد شفیع چاندال
صلاح الدین جعفر
شکیل احمد حسنی
شہناز الحق بیگ
روبینہ جبار

عامر حمید مرزا
عرفان حمید مرزا
محمد یوسف حاجی لطیف
سید محسن مظہر
محمد حنیف لاکھانی
ضیاالاسلام خان
مظہر نذیر
سلامت اشرف علی
رضوان احمد
مہر عالم
نصرت رضوی
جیلانی یوسف
شاہ رخ مراد
فرزانہ ستار عاشی
ادریس آدم غازی
عاصم اظفر
عبدالوحید
عذرا سلطانہ
محمد امین
محمد خالد حمید
سید اظہر الدین
کوکب شیریں
عبدالمالک قریشی
فوزیہ قریشی

عبدالحامد قریشی
محمد علی قریشی
عابد حسین انصاری
سلطان خان
وقار احمد صدیقی
محمد اقبال
محمد عامر علی انصاری
نسیم احمد فاروقی
جمال یوسف
وسیم تقی
سید سعد اختر
محمد ریاض
خلیل احمد انصاری
سید شہزاد علی
صفدر حسین
سید ذیشان عسکری
کھتری غلام محمد بہادر
حسنہ قمر
محمد قاسم سبحانی
محمد اقبال
راشد حفیظ
اکبر حسین شاہ
عرفان العظیم
ارشد علیم عرشی

جاوید سلیم اسماعیل	کراچی	صابر رضا خان	صبیحہ عارف رضا
مطیع اللہ	"	ابوالقیس فصیحی	امجد علی
فیصل فاروقی	"	ارجمند رضوی	شمیم انوار
محمد اویس خان شاداب	"	شکیل احمد	محمد بلال سبحانی
آفتاب عالم		محمد نسیم جاوید	رفعت لطیف
طارق حمید مرزا		سید عبدالباسط علیقی	ریاض اشرف
شگفتہ جبیں		محمد الناصر ادیب	آصفہ بشیر
نجم السحر		فہمیدہ	علی رضا خان
اشہر علی خان		عمران مرزا	علی عادل خان
زبیدہ حمید مرزا		محمد نسیم	محمد فرخ
فرزان سلیم		نوید انور	شکیب مراد
محمد اکمل حسین		کمال انور	محمد رئیس
محمد عارف اقبال		نفیس احمد سبحانی	جمشید اختر
جمیل احمد خان شیروانی		الماس مہدی	**جاوید مرزا**
آکنسہ مہر افروز		محمد اعظم	**سلطان احمد**

پلاسٹک سائیکل

اپنی قسم کی یہ پہلی اور انوکھی سائیکل ہے۔ اس کا ڈھانچہ، ہینڈل، بریک پہیا، پیڈل سب پلاسٹک کے بنے ہوئے ہیں۔ عام سائیکل کے مقابلے میں یہ بہت ہلکی پھلکی ہے۔ اس کا وزن صرف سولہ پونڈ ہے۔ تیل یا گریس کی ضرورت سے بے نیاز ہے۔ اسے زنگ لگنے کا کوئی خطرہ نہیں اور نہ یہ ٹوٹے گی۔ یہ چھ مختلف اور دیدہ زیب رنگوں میں تیار کی گئی ہے۔ مرسلہ: سید مظہر علی جعفری، حیدرآباد

بڑھتی عمر اور مضبوط تر دانت

صحیح نشوونما کے لئے غذا کو اچھی طرح چبانے اور اس کو ہضم کرنے کی قوت بے حد ضروری ہے۔ لیکن خود اس کا دارومدار مضبوط اور صحت مند دانتوں پر ہے۔ دانت اُسی وقت مضبوط، صحت مند اور خوبصورت رہ سکتے ہیں جب ان کی صحت اور صفائی کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔

عمدہ دانت زندگی بھر کے ساتھی ہوتے ہیں۔

اُن کی پوری پوری حفاظت ہمدرد منجن سے کیجئے۔ ہمدرد منجن گہرائی تک پہنچ کر ان کی صفائی کرتا ہے۔ دانتوں کو کیڑا لگنے سے بچاتا ہے۔ مسوڑھوں کی مالش کرتا ہے اور مُنہ کی بدبو کو دور کرتا ہے۔ اس کی ہلکی ہلکی ٹھنڈک اور خوشبو بڑی دلپسند ہے۔

ہمدرد منجن

مسکراہٹ میں کشش اور دانتوں میں سچے موتیوں کی چمک پیدا کرتا ہے۔

ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف)، پاکستان

کراچی — لاہور — راولپنڈی — پشاور

حلقۂ دوستی

محمد عارف عبد السّتار

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، کارڈ جمع کرنا۔

پتّا: حبیب باغ فلیٹ نمبر ۵۵ دھوراجی کالونی کراچی نمبر ۵

رئیس احمد رئیس

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا۔

پتّا: مکان نمبر ۲۵/ ۲۴۲۵ چاندنی چوک سمن آباد لائل پور۔

اخلاق احمد ہاشمی

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا۔ قلمی دوستی۔

پتا: جماعت ہشتم اے گورنمنٹ جامع ہای اسکول سمن آباد لائلپور۔

گوہر جمال زروبی

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔

پتا: محلہ خیل موضع و ڈاک خانہ زروبی (ضلع مردان)

محمد فاروق عبد العزیز

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، پڑھنا۔

پتا: ۲۳۶۴ کے ۱۱ جوڑا مل لین (ایڈسٹوری) حیدر آباد (سندھ)

نعمان خان جمیل

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی۔

پتا: B. ۲۲۰ بلاک نمبر ۱۱۔ فیڈرل بی ایریا کراچی نمبر ۳۶۔

سید راشد حسین جیلانی

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔

پتا: گورنمنٹ ہائی اسکول نیو سعید آباد۔ سندھ۔

خلیل الرّحمٰن سلام

عمر: ۱۶ سال — تعلیم سیکنڈ ایر

دل چسپیاں: کرکٹ اور ہاکی کھیلنا۔

پتا: ماسٹر محمد عثمان صاحب گورنمنٹ ہای اسکول تربت مکران۔

فخر الدّین

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔

پتا: حاجی حافظ نظام الدین مکان نمبر ۳۶، ۲ بلاک نمبر ۱ سمن آباد لائل پور۔

محمد اسلم راہی

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: ۱۵۸۳ ۱۸/ ۱۱ فی لایڈ اوانی لین حیدر آباد سندھ۔

شکیل احمد رضی

عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔

پتا: بلاک ۷، ۱۴ کوارٹر نمبر ۱۴ اکراچی سٹی ریلوے کالونی، کراچی۔

آفتاب احمد خان زادہ

عمر: ۱۶ سال تعلیم: ایف۔اے

دل چسپیاں: قلمی دوستی، مطالعہ۔

پتا: پوسٹ آفس دولت پور صفن، (نواب شاہ)

جمیل آفتاب

عمر: ۱۶ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا۔ قلمی دوستی۔

پتا: الفرید۔ون۔ڈی بلاک اے سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی۔

مسعود انجم خان زادہ

عمر: ۱۵ سال تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا۔ کرکٹ کھیلنا۔

پتا: پوسٹ آفس دولت پور صفن ضلع نواب شاہ۔

سلمان کمال

عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: کرکٹ، مطالعہ کرنا۔

پتا: ناظم آباد ۳/ ۱۱۰ اے اکراچی

منصور عظیم

عمر: ۱۳ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: ۲/ ۱۱۴ گل بہار نمبر ۲۔ کراچی نمبر ۱۸۔

اسرار الحق

عمر: ۱۶ سال تعلیم: انٹر

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی۔

پتا: ۱۲۶ ایکھا سنگھ اسٹیٹ، راول پنڈی۔

محمد اقبال

عمر: ۱۳ سال تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: مطالعہ

پتا: ۴/ ۱۱۶/ ۱ ڈرگ کالونی، کراچی نمبر ۲۵

محمد طارق

عمر: ۱۳ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: ۲/ ۵۵/ ۶ لانڈھی نمبر ۶ کراچی نمبر ۳۰۔

سید قطب الدین حسن

عمر: ۱۰ سال تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: کیرم کھیلنا۔

پتا: مدرسہ جامعہ اسلامیہ ٹھنڈی سڑک حیدر آباد۔

حبیب اسماعیل

عمر: ۱۵ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: کرکٹ۔

پتا: ۱۴۸/ ۷ روڈ ۱۰ سراج الدولہ روڈ دہلی مرکنٹائل سوسائٹی کراچی۔

آفتاب حسین فخر الدین

عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، کرکٹ کھیلنا۔

پتا: ۴/ ۶ فرسٹ فلور سیفی نگر نشتر روڈ کراچی نمبر ۱

عبدالباقی ساجد

عمر: ۱۰سال تعلیم: چہارم

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔

پتا: الجوہر اسلامی کتب خانہ گلدر۔ (مکران)

نعیم اختر قریشی

عمر: ۱۲سال تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔

پتا: فاتح ریڈیو سروس آستانہ پریم داس روڈ نیو کلری، کراچی نمبر۲

سید گوہر مصطفےٰ بلگرامی

عمر: ۱۵سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔

پتا: لانڈھی کالونی نمبر۵ ۵۴/۷ -اے-۴ کراچی نمبر۳۰

عامر غفور مفتی

عمر: ۱۳سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: سکّے اور ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: گھر نمبر۲ E ۱/۶ شالیمار نمبر۶ G-۷۔ اسلام آباد

سید عامر وقار

عمر: ۱۱سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: اے ۲۴۲ بلاک ایل نارتھ ناظم آباد کراچی نمبر۳۳۔

محمد ممتاز

عمر: ۱۵سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: سکے جمع کرنا، کرکٹ کھیلنا۔

پتا: ۴۳۶/۲ ۶ عزیز آباد فیڈرل بی ایریا، کراچی

محمد جمیل اجمیری

عمر: ۱۶سال تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: فٹ بال، قلمی دوستی کرنا۔

پتا: کوارٹر نمبر ۶۲۲/ این کورنگی نمبر ۲/۳ کراچی نمبر۳۱

محمد ارشد علی خان

عمر: ۱۵سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: ۶۵۲/۴ ڈرگ کالونی نمبر۴ کراچی نمبر۲۵

سید انصاف

عمر: ۱۴سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتا: ای-۱۱ یوپی سوسائٹی مکان نمبر۱۲۷ نارتھ کراچی۔

محمد ظہیر

عمر: ۱۵سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: کوارٹر نمبر۵۲۵ بلاک ۳۱A لانڈھی کالونی کراچی نمبر۳۰

زبیر ہاشمی

عمر: ۱۲سال تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: مطالعہ، ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: این ۵ کورنگی نمبر ۲/۳، کراچی نمبر۳۱۔

وقار حسن خان

عمر: ۱۴سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: والی بال۔

پتا: ۶۵۷/۴ ڈرگ روڈ کالونی نمبر۴ کراچی نمبر۲۵۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے زین پیکجنگ انڈسٹریز کراچی میں چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر۱۸ سے شائع کیا

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرائت کئے ہوئے فاسد مادے پھوڑے، پھنسیوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خون کی صفائی اور جلدی بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

ہمدرد

ستمبر ۱۹۷۷ عیسوی
ہمدرد نونہال
رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳

ہوا میں حدّت کے آثار ہیں
رُوح افزا سے پیاس بجھائیے
راحت پائیے

گرمیوں کی تند و تیز، مرطوب ہوائیں ہمیں بے جان اور بے حال بنا دیتی ہیں۔
گرمی اور اس کے ناخوشگوار اثرات کا لازم و ملزوم ہونا ایک قدرتی امر ہے،
انہیں الگ نہیں کیا جا سکتا لیکن موسم کی شدّت کو رُوح افزا کے استعمال
سے اعتدال پر ضرور لایا جا سکتا ہے۔
رُوح افزا پورے جسم و جان کو ٹھنڈک پہنچا کر تپش اور لُو کے مضر اثرات
سے محفوظ رکھتا ہے، کھوئی ہوئی توانائی بحال کرتا ہے اور پیاس بجھاتا ہے۔
اس کا ذائقہ اور تاثیر دونوں اپنی جگہ لاجواب ہیں۔

رُوح افزا مشروبِ مشرق
ہمدرد